کبھی صلیب کبھی دوش پر لیے تکلی
اسی زمیں پہ کئی بار آسماں آیا

یوگیندر پال صابر

Janab
Manzoor Muzloom Sh
Kashmiri
Khanyar
SRINAGAR
pin 190003

احساس کی صلیب

April 26 1987

Yogender Pal Sabir
Mohalla Khalsana
Sirko abad
Distt Mainpuri
PIN 205135

یوگیندرپال صابر
ایم۔اے

الف:- یہ کتاب اتر پردیش اردو اکاڈمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی۔

(ب) اس کتاب کے مندرجات سے اتر پردیش اردو اکاڈمی کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

نام مصنف

یوگیندر پال صابر

سن اشاعت ۱۹۷۵ء

مطبوعہ

لیتھو برقی پریس نئی سڑک کانپور

کتابت:- شفیق صہبائی کانپور

قیمت فی جلد بیس روپے

بار اوّل

چھ سو کاپیاں

پبلشر

یوگیندر پال صابر ایم اے

ملنے کا پتہ

محلہ کھترانہ شکوہ آباد ضلع مین پوری یو پی

مصنف ایک نظر میں

نام یوگیندر پال

تخلص صابر

پیدائش ۴ جولائی ۱۹۲۵ء

تعلیم ایم۔اے (انگریزی)

پیشہ درس و تدریس (شعبہ انگریزی اے کے پوسٹ گریجویٹ کالج
شکوہ آباد ضلع مین پوری)

دیگر تصنیف غم معلیٰ (مجموعۂ نظم واقعات کربلا)

ع

انتساب

شریمتی مہامایا دیوی کے نام مندرجہ ذیل حقیقت یاد دلاتے ہوئے۔

غم بھی ملتا ہے آب و دانہ بھی
گھر قفس بھی ہے آشیانہ بھی
دشمنِ جاں بھی ہے شریکِ حیات
اور تسکین کا خزانہ بھی

یوگیندر پال صابر ایم اے

صابر و صلیب!

ڈاکٹر جاوید وششٹ
شعبہ اردو
ذاکر حسین کالج دھلی ۶

یوگیندر پال صابر نے ۱۹۲۵ء میں یوپی کے ضلع فرخ آباد کی تحصیل قائم گنج کے موضع بری میں چودھری شامل سنگھ جی کے گھر جنم لیا اور شریمتی جمنا دیوی کے آغوش میں آنکھ کھولی اور اور پرورش پائی۔ ماں باپ کی آنکھوں کا یہ تارا گاؤں کے معصوم و سادہ ماحول میں پروان چڑھا۔

آخر ۱۹۴۷ء میں یوگیندر پال صابر نے لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ سے انگریزی میں ایم اے کیا۔ ۱۹۵۲ء میں شریمتی مہامایا دیوی سے شادی ہوگئی۔ فیملی پلاننگ کے سنہری اصول کے "ہم دو ہمارے دو" کو اپنا کر ایک بیٹی اور ایک بیٹا کے باپ ہوگئے۔ بیٹی وندنا کی شادی سے سبکدوش ہوگئے ہیں بیٹا امیریش گریجویٹ ہے۔

یوگیندر پال صابر ایم اے کے ڈگری کالج شکوہ آباد ضلع مین پوری

(یو پی) میں ادبیات انگریزی کے استاد ہیں اور تقریباً پینتیس برس سے درس و تدریس کے پہلو بہ پہلو حسین و جمیل غزلیں اور نظمیں اور رنگین قطعات بڑے صبر و تحمل کے ساتھ کہتے رہے ہیں چونکہ منزلِ صبر ایوب سے گزر رہے ہیں۔ اس لیے صابر بھی ہو گئے ہیں لیکن صابر ہوتے ہی مصلوب ہو گئے۔ ہر فن کار اپنے ہی فن کی صلیب پر چڑھا دیا جاتا ہے یہ فن کی معراج بھی اور فنا فی الشعر ہونے کا ثبوت بھی ہے صابر بھی "احساس کی صلیب" پر مصلوب نظر آتے ہیں۔

کون صابر؟ وہ خود اپنے ایک مقطع میں کہتے ہیں ؎

کون صابر کی حقیقت سے نہیں ہے واقف
رند و آزاد و کم آمیز بشر ہے یارو

تفہیم کلام صابر کے لیے یہ شعر کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ رند و آزاد بھی ہیں اور کم آمیز بھی۔ رند و آزاد ہوتے ہوئے کم آمیز معنی دارد۔ صابر رند و آزاد ہیں۔ اس لیے اپنی موج میں رہتے ہیں۔ جتنی دیر جی چاہا ملے ورنہ چل نکلے بہر حال کم آمیزی فن شعر کی ریاضت کی غماز ہے اور یہی فنا فی الشعر کی منزل ہے شاعر فکر شعر میں گم ہے۔ اُسے اتنی فرصت کہاں کہ وہ آمیختن کی گردان کرے یہ صابر کی کہنہ مشقی اور قادر الکلامی کی علامت بھی ہے صابر کہتے ہیں۔

اشعار میں تم ڈھونڈ رہے ہو مجھے لیکن
ان میں تو مرا درد بھی اچھا سا لگے ہے

یہ بھی طرفہ تماشہ ہے کہ ہر فن کار کا نصیب میں اپنے ہی احساس کی صلیب پر مصلوب ہونا لکھا ہے۔ صلیب ہر مسیح کا مقدر ہے اسی مقدر کا ذکر شاعر نے اس شعر میں کیا ہے۔

صابر جو اہل حق ہیں سکون ان کے واسطے
پتھر میں ہے، صلیب میں، دار و رسن میں ہے

اہل ظاہر نے اہل باطن کے ساتھ جو سلوک کیا ہے یہ شعر اسی کی پوری داستان کو محیط ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل باطن یا دل سنگسار کئے گئے۔ مصلوب کئے گئے ان کی کھال کھنچوائی گئی غرض وہ دار و رسن کی ہر آزمائش سے گذرے ہیں۔ یہ مقولہ اس بات کا بھی شاہد ہے کہ صابر کا تعلق اہل دل سے ہے۔ اسی لیے ہر آزمائش کو لبیک کہتے ہیں۔ یہ صابر کے کردار کا آئینہ بھی ہے حق کے لئے سنگسار ہونا، مصلوب ہونا، یا دار پر لٹائے جانا اس بلند مقام کی طرف ایک واضح اشارہ ہے جس تک پہنچنا کردار کی پختگی کے بغیر ممکن نہیں ہمیں احساس کی صلیب کے اس مطلع میں شاعر کے استوار کردار کی جھلک بھی نظر آتی ہے ؎

دلِ حساس صلیبوں کا مقدر نکلا
پھینک کر مارا ہوا پھول بھی پتھر نکلا

صابر کی غزل کلاسیکی غزل کے روایتی انداز پہ قائم ہے اور غزل کو اس سے مفر بھی نہیں۔ غزل صابر جملہ آدابِ غزل گوئی کے احترام کے ساتھ اپنے عصر اور روحِ عصر کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ مثلاً ؎

عجیب دور میں جیتے ہیں ہم بھی اے صابر
ہر ایک موڑ پہ ملتے ہیں ادھ مرے ڈھانچے

پانی سمجھ کے غسل کئے جا رہے ہیں لوگ
کیا خوشنما سراب ہیں اندھوں کے شہر میں

کچھ زیست بھی دشوار ہے اس دور میں صابر
کچھ آپ کو جینے کا سلیقہ بھی بہت ہے

عجیب رنگ کی محفل سماج ہے جس میں
ہر اہلِ بزم اکیلا دکھائی دیتا ہے

وعدے ہیں ان کے وعدۂ سرکار کی طرح
بھرتے ہیں پیٹ لفظوں سے اخبار کی طرح

لوگوں کا شر درندوں کی ہلچل سے کم نہیں
کہتے ہیں جس کو شہر وہ جنگل سے کم نہیں

چھوڑ کر ساتھ آدمیت کا
آج کتنا ہے آدمی تنہا!
چھایا ہے ہر اک سمت گھٹا ٹوپ اندھیرا
کام آتی نہیں ایسے میں کچھ دیدہ وری بھی

احساس کی صلیب کے یہ اشعار بھی ملاحظہ کیجئے

خزاں کے بعد آتی ہے ہمیشہ فصل گل لیکن
نہیں آئی پلٹ کر میرے ہونٹوں کی ہنسی اب تک

ہونٹوں سے ہنسی کا روٹھنا شاعر کا نجی سانحہ بھی ہو سکتا ہے۔
یہی احساس کی صلیب ہے۔

چوم رہی ہیں کرنیں لیکن!!
کانپ رہا ہے قطرۂ شبنم

یہ شعر شاعر کے مشاہدات کی پختگی اور اثر پذیری کے ثبوت میں بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ جمالیاتی اعتبار سے بھی یہ شعر حسین ہے۔

انسان محبت کی آگ میں تپ کر ہی دیوتا بنتا ہے۔ یہ بھی صلیبی شعر ہے۔

جلا چکی ہے محبت کی تیز آگ مجھے
ادب کرو مرا لوگو کہ دیوتا ہوں میں

کردار صابر کا یہ پہلو بھی ملاحظہ کیجئے۔

جس کی قیمت ترک خودی ہو ایسی خوشی سے بہتر ہے غم

یہ شعر شاعر کی خودداری کا غماز ہے۔

یہ اشعار شاعر کے اخلاق کا آئینہ ہیں۔

رہِ حیات میں اچھے ملے برے بھی ملے
زباں سے ہم نے کسی کو مگر برا نہ کہا
ڈرے ہوئے تھے بہت ظالموں سے ہم صابرؔ
رہے خموش مگر ظلم کو بجا نہ کہا

اور یہ شعر کفن میں خوشبوئے زندگی پیدا کرنے کا معجزہ دکھاتا ہے۔

ہم لوگ جو مرے ہیں پئے احترام زیست
خوشبوئے زندگی بھی ہمارے کفن میں ہے

ہمارے جملہ قدآور شعراء نے ناقدریٔ زمانہ کا رونا رویا ہے مگر صابرؔ کا نظریہ اس سلسلہ میں بڑا صحت مند ہے۔ کہ فن کار میں اگر احساسِ خلوص پیدا ہو جائے تو اسکی ناقدری نہیں ہو سکتی۔

روحِ فنکار میں پیدا ہو جو احساس خلوص
اب بھی دنیا میں بڑی قدرِ ہنر ہے یارو

صابرؔ نے احساس کی صلیب میں انسانی فطرت کے بعض گوشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ مثلاً

یہ آدمی بھی ہے تصویر رنگ و روغن کی
جو صرف دور سے اچھا دکھائی دیتا ہے

قومی ترین وہی آدمی ہے اے صابر
جو اپنی جہد میں تنہا دکھائی دیتا ہے

گنہ سکھایا ہے انساں کو پارسائی نے
گناہ گار کو اپناؤ پارسا سے ڈرو!

گناہ گار کو اپنانا ایک اعلیٰ انسانی قدر ہے۔ پارسا سے ڈرنے کی بات اہلِ ظاہر و اہلِ باطن کا امتیاز پیش کرتی ہے۔ پارسا اہلِ ظاہر ہے جس کے بارے میں اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ؎

خلافِ شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے میں چوکتا بھی نہیں

اسی غزل میں میانہ روی کی تلقین بھی معنی خیز ہے:

ادھر کنواں ہے تو کھائی ادھر ہے نادانو
سکوں میانہ روی میں ہے انتہا سے ڈرو

توازنِ حیات ہی سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔

یہ آستین کے سانپ ؎

اب دیکھنا یہ ہے کہ کریں کب یہ اپنا کام
سانپوں سے بھر گئی ہے مروت کی آستیں

پُر وقار مظلوم شخصیت ؎

مظلوم شخصیت کا بھی ہوتا ہے اک وقار
اب آسماں سے بات بھی کرتی نہیں زمیں

اور ذرا یہ خودشناسی بھی دیکھیے۔

خود آگہی سے ڈرے کیوں نہ آدمی صابرؔ
ہر ایک شخص سمجھتا ہے بے خطا ہوں میں

صابرؔ کا نظریۂ حسن و عشق بھی صابرؔی و صلیبی ہے۔

تمھارے حسن کی تابندگی کا کیا کہنا
وہ چاندنی تھی مگر اس سے جل گیا ہوں میں

حسن کا حال آپ ہی جانیں
ہاں مرا عشق بے ثبات نہیں

صابرؔ کی غزلیں پر وقار متانت اور باوزن سنجیدگی ہے
شاعر کی گمبھیرتا غزل کی فضا میں بلندی اور گہرائی کا احساس
پیدا کرتی ہے یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

دنیا میں پتھروں کی تو کوئی کمی نہیں
لیکن اب ان کو کون بنائے بتِ حسیں

زندہ نکل تو آیا ہے کوچے سے مگر کے
لیکن لہو لہان ہے اخلاص کی جبیں

غم سے خالی کوئی حیات نہیں
غم کو بھی تو مگر ثبات نہیں

کیا کہیں حال زندگی صابرؔ
جی رہے ہیں مگر حیات نہیں

حالات عصر حاضر کی مرقع نگاری بھی جاذبِ توجہ ہے مثلاً
صرف رستہ بتاتے رہتے ہیں رہنما ہمسفر نہیں ہوتے

وطن میں عصمت انصاف کی وہ درگت ہے
کہ بک رہی ہے کسی بے حجاب زن کی طرح
دہر میں سبھی ہے نفسی نفسی
کون کسی کا دکھ سکھ جانے
بھی ہے ہمت مرداں یہی شرافت ہے
ستم گروں سے کرو جنگ بے نوا سے ڈرو
ہر آدمی ہے محبت کا مستحق صابر
جو پاپی ہے گروہوں میں اس بلا سے ڈرو
اپنی راحت پہ تو ہر وقت نظر ہے یارو
غم کے ماروں کی بھی کچھ تم کو خبر ہے یارو

ایک لوک کوی نے کہا تھا کہ جب گھوڑے مر جاتے ہیں تو گدھے راج کرتے ہیں۔ صابر کی ایک غزل کے یہ اشعار ہمارے بدکار و ریاکار نیتاؤں پر کیسے فٹ بیٹھتے ہیں ملاحظہ کیجیے۔

ہوئے جب چھ فٹے رخصت تو ظاہر ہو گئے بونے
گھڑے ہو کر چھتوں پر بن گئے باون گزے بونے
سوا بربادیٔ اولاد آدم کے ہوا کیا ہے
کبھی جب دیوتاؤں کی سی قوت پا گئے بونے
اشاعت اپنے بونے پن کی کرتے ہیں زمانے میں
خود اپنی قوم سے ناراض ہیں کچھ دل جلے بونے

نکل کر جائیں اے صابر کہاں بونوں کے نرغے سے
پرانوں کی جگہ بھرنے کو امنڈے ہیں نئے بونے

احساس کی صلیب میں فراقیت یعنی لمیات و تلذذ کے عناصر بھی موجود ہیں شاعر کے ذوق جمالیات کی جھلکیاں بھی ان اشعار میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

خیال یہ ہے کہ تو اس طرف سے گذرا ہے
مہک رہی ہیں فضائیں ترے بدن کی طرح
تری حسین و دلآویز و نیلگوں آنکھیں
ہیں پاک و صاف شرد رات کے گگن کی طرح

ماڈرن سوسائٹی کی فضا بھی اشعار غزل میں ڈھل گئی ہے جیسے

ہر چیز خوبصورت و آساں کہاں سے آئے
یہ زندگی ہے کوئی سنیما کا شو نہیں
اٹھا کے پردہ افلاس دیکھئے اس کو
یہ کال گرل بھی ہے پاکباز تن کی طرح

غرض صابر نے اپنے صبر و تحمل کی مہر اشعار غزل پر ثبت کر دی ہے   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

قطعات صابر میں بھی تغزل کی بھرپور فضا موجود ہے۔ یہ قطعات ملاحظہ فرمائیے۔

کئی لاشیں بچھائی ہیں نیچے
تب مقام بلند پایا ہے

ان کے چہرے پہ رنگ سرخ اے دوست
بھائیوں کے لہو سے آیا ہے

ایک انسان ہے مرا محبوب
ہر بشر سے مجھے محبت ہے

شیخ صاحب کو ہے خدا سے عشق
آدمیت سے سخت نفرت ہے

سایہ ظلم میں بھی زیست کا چھٹے رہنا
روح کو مردہ و بیکار بنا دیتا ہے

ظلم کرنے ہی کو کہتے ہیں گنہ لوگ مگر
ظلم سہنا بھی گنہگار بنا دیتا ہے

کوئی کہتا ہے درد ہے ہستی
پوچھتا ہے کوئی خوشی کیا ہے

مبتلائے غم حیات ہیں سب
کس سے پوچھیں کہ زندگی کیا ہے

یہ آداب بندگی بھی دیکھئے۔

ہم سے آداب بندگی سیکھو
اہل دنیا تمھیں خبر کیا ہے

بات کر لی دعا کے وقت ان سے
اس سے بڑھ کر کوئی اثر کیا ہے

قطعات صابر غزلوں سے ذرا مختلف نظر آتے ہیں۔ اس سے

قطعات میں انفرادیت پیدا ہوگئی ہے صابر کے نزدیک مزاج عشق۔

مرا قصور ہے اس میں نہ کچھ خطا ان کی
مزاج عشق تو خود ہی خوشی کا دشمن ہے
ستم ظریفیٔ فطرت کو کیا کہوں صابر
وہ دل دیا جو مری زندگی کا دشمن ہے

غرض صابر کے قطعات بہت گمبھیر گہرے اور پُر اثر ہیں۔ حق گوئی اور بے باکی کی آمیزش نے تو ان کے تیور ہی بدل دیئے ہیں۔

صابر کی نظمیں خصوصی مطالعہ کی مستحق ہیں کیونکہ ان میں حقائق حیات کی گھمبیر عکاسی ملتی ہے شاعر کی زندگی نظموں میں ایک مخصوص انداز سے جھلکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یا شاعر کی زندگی کی مقطر روح شعر کے سانچے میں ڈھل گئی ہے جس سے بیک وقت نظموں میں وسعت اور گہرائی اور بلندی کا احساس ہوتا ہے نیز ایک طرب انگیز معصومیت وسادگی حقیقت نگاری کو جلا دیتی دکھائی دیتی ہے۔

"رفیقۂ حیات" اور "پاکیزہ امانت" اسوئی نظمیں قرار دی جاسکتی ہیں کیوں کہ ان میں شاعر کے سچے جذبات اپنی آدرش پتنی اور معصوم بچی سے متعلق، بڑے فن کارانہ انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں نظموں میں آفاقی عناصر بھی موجود ہیں

جو ایک مخصوص معاشرہ کے تہذیب و تمدن کے پس منظر میں تعمیم کا رنگ و آہنگ لیے ہوئے ہیں۔
ایک خاص بات جو ان نظموں سے ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ شاعر کو قطعات کا فارم بہت مرغوب ہے یہی وجہ ہے کہ بیشتر نظمیں اسی فارم میں کہی ہیں۔
بیٹی کو پرایا دھن کہتے ہیں اس لیے وہ امانت ہے اور اور وہ چونکہ گھر کی لاج ہے اس لیے پاکیزہ بھی ہے بیٹی ماں کی چادر اور باپ کی پگڑی ہے۔ پاکیزہ امانت (جس میں داماد سے خطاب ہے) کے چند بند ملاحظہ کیجیے۔

توم را کوئی نہیں بات یہ سچ تھی کل تک
آج تو کیا ہے ایسے کہنے کو الفاظ نہیں
روح کا چین دل بیکس و بیتاب کا صبر
میری آنکھوں کی ضیا میری محبت کا امیں
اب ترے ساتھ وہ کانٹوں پہ چلے گی ہر وقت
اپنے سینے پہ محبت سے سلایا ہے جسے
تیرے ہاتھوں میں اسے سونپ دیا ہے میں نے
چاند تاروں کی نگاہوں سے چھپایا ہے جسے
یہ کسی گھر میں نہیں پیار کے مندر میں پلی
ظلم و نفرت کی لڑائی نہیں دیکھی اس نے

نام شاید کسی قصے میں سُنا ہو لیکن
اپنی آنکھوں سے برائی نہیں دیکھی اس نے
پھول سنگیت سجن پیار ہنسی کے نغمے
ان سے آگے کا نظارہ اسے معلوم نہیں
یہ مرے گھر میں رہی ہے کسی دیوی کی طرح
کتنی گندی ہے یہ دنیا اسے معلوم نہیں
اب تو رکھنا ہی پڑے گا اسے دنیا میں قدم
میری پاکیزہ امانت کی حفاظت کرنا!
اس کی معصوم خطاؤں کو بڑھانا نہ کبھی
یہ محبت میں پلی ہے تو محبت کرنا!
لائے ہر صبح ترے گھر میں خوشی کی کرنیں
شام کی زلفِ پریشاں ہو خوشی کا پیغام
تیرے آنگن میں مسرت کے حسیں پھول کھلیں
کامیابی ~~کرے آکر~~ کرے آکے سلام

پاکیزہ امانت کا ہر بند شاعر کے خلوص دل اتھاہ پیار اور آدرش باپ کے پیار کے جذبات کا آئینہ ہے۔

اس نظم میں صابر نے ست یگ کی آدرش بیٹی کو غیر شعوری طور پر پیش کیا ہے وہ بیٹی جو پیار کے مندر میں پلی ہے جسے باپ نے چاند تاروں سے بھی چھپایا ہے یہ خالص

ہندی تصور تقدیس کا انداز ہے۔ ع۔ پھول سنگیت سجن پیار ہنسی کے نغمے اس مصرعہ کے پھول سنگیت سجن پوجا کی علامت ہیں پیار ازدواجی زندگی کا محور ہے ہنسی کے نغمے تقاضائے سن کے غماز ہیں ویدک آدرش کی نظر سے دیوی کے روپ میں دیکھنی ہے دعائیہ بند میں یہ مصرعہ خاص توجہ کا مستحق ہے ع

تیرے آنگن میں مسرت کے حسیں پھول کھلیں

اس نظم میں صابر نے اپنے دل کی گہرائیوں کی مرقع کشی کی ہے اپنی بیٹی سے غیر معمولی محبت کا کامیاب اظہار اس نظم میں ملتا ہے۔

نظم رفیقۂ حیات کے یہ بند ملاحظہ فرمایئے۔

یہ اتفاق اگر ہے تو اس پہ حیرت ہے
کہ زندگی نے ہمیں دو کو انتخاب کیا
مری حیات جو ناکام و نامکمل تھی
تری وفا نے اسے چھو کے کامیاب کیا
وہ زندگی کے کڑے کوس وہ کٹھن راہیں
وہ میرے دوش پہ بار حیات کا انبار
وہ میرے ساتھ ترا چلنا سر جھکائے ہوئے
وہ تیری گود میں بچہ دل حزیں میں پیار
نظر فریب تو آزادیاں بھی ہیں لیکن
ترے خلوص کی پابندیوں کا کیا کہنا

بہت لذیذ ہے بازار کا طعام مگر!
تری پکائی ہوئی روٹیوں کا کیا کہنا

یہ ربط و ضبط تقشّق بھی ہے عبادت بھی
ادب کی جا ہے کہ یہ زندگی کا مندر ہے

حسین لاکھ سہی پھر بھی جسم پاک ترا
شراب خانہ نہیں لکشمی کا مندر ہے

یہاں حجاب میں لپٹی ہے بے حجابی بھی
کہ ناروا بھی یہاں ناروا نہیں ہوتا

کوئی بھی پردہ زن و شو میں گو نہیں شامل
مگر یہ رشتہ کبھی بے حیا نہیں ہوتا

تری شریف محبت کے لاکھ پہلو ہیں
زمیں کا سبزہ بھی ہے آسماں کا بادل بھی

بہن کا پیار ہے بیٹی کا جذبۂ خدمت
کبھی کبھی ترا دامن ہے ماں کا آنچل بھی

سفید بال جو اب سر کے ہیں تو کیا غم ہے
مری نگاہ میں ہیں تیری گیسوؤں کے سحاب

خزاں کا ہاتھ کبھی جن کو چھو نہیں سکتا
مہک رہے ہیں تصور میں عارضوں کے گلاب

شکستِ وقت کا پندار کر دیا تو نے
میں اب جواں نہیں ہوں تو کیا مصیبت ہے

مری حیات کے ضامن ہیں یہ حسیں بچے
مرا شباب فسانہ نہیں حقیقت ہے
ہمارے عشق کی بنیاد حسن ہے نہ شباب
ہمارے عشق کی ہر چیز غیر فانی ہے
یہی فسانہ کہیں گھر ترے بچے
یہ زندگی کا تسلسل بھی جاودانی ہے

پہلے بند میں شاعر اپنی رفیقۂ حیات کی وفا کا اعتراف کرتا ہے اسی کے باعث شاعر کی زندگی کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگلے بند میں یہ محاکاتی رنگ ملاحظہ کیجئے۔ ؎

وہ میرے ساتھ ترا چلنا سر جھکاتے ہوئے
وہ تیری گود میں بچہ دل حزیں میں پیار

ایک بند میں شاعر اپنی شریک حیات کی پکائی ہوئی روٹیوں کی لذت کا اعتراف کرتا ہے ؎

بہت ~~لذیذ~~ لذیذ ہے بازار کا طعام مگر!
تری پکائی ہوئی روٹیوں کا کیا کہنا

رفیقۂ حیات کا جسم پاک ہے شراب خانہ نہیں لکشمی کا مندر ہے۔

اس نظم کا پس منظر بھی وہی ہندی کلچر ہے جس پر کلاسیکیت کی بنیاد ہے۔ یہ جذبۂ تقدیس اس کی نمائندہ خصوصیت ہے۔ اگلے بند میں اس کی وضاحت ہے۔

مگر یہ رشتہ کبھی بے حیا نہیں ہوتا
ایک بند میں عورت کے تین روپ پیش کئے
ہیں بہن بیٹی اور ماں کے ۔

تری شریف محبت کے لاکھ پہلو ہیں
زمیں کا سبزہ بھی ہے آسماں کا بادل بھی
بہن کا پیار ہے بیٹی کا جذبۂ خدمت
کبھی کبھی ترا دامن ہے ماں کا آنچل بھی

سفید بالوں کے باوجود جوانی کی یاد تازہ ہے ۔

خزاں کا ہاتھ کبھی جن کو چھو نہیں سکتا
مہک رہے ہیں تصور میں عارضوں کے گلاب

اور حسین بچے شاعر کی حیات کے ضامن ہیں انہوں ہی نے
رشتۂ ازدواج کو جاوداں بنا دیا ہے۔

ہمارے عشق کی بنیاد حسن ہے نہ شباب
ہمارے عشق کی ہر چیز غیر فانی ہے
یہی فسانہ کہیں گے مرے ترے بچے
یہ زندگی کا تسلسل بھی جاودانی ہے۔

غرض صابر نے نظم پاکیزہ امانت اور رفیقۂ حیات میں آدرش
بیٹی اور آدرش پتنی کی تصویر کشی کی ہے۔

روپ روپ چہرے میں عورت کے ماں بہن
اور بیٹی کے روپ اجاگر کئے گئے ہیں۔

ایک مشہور سنسکرت ضرب المثل ہے کہ عورت کا کردار اور مرد کا نصیب دیوتا نہیں سمجھ سکے آدمی کی کیا اوقات ہے اس لحاظ سے عورت ایک معمہ ہے اس کے بہت سے روپ ہیں بیٹی کے بارے میں صابر کا نظریہ ہے کہ ؎

پاک و پرسوز ہے اس طرح وجود دختر
قلب جبریل میں جس طرح عبادت کا خیال

طوائف کے روپ میں صابر کا ردعمل ملاحظہ کیجئے ؎

ایک یہ روپ دھواں اٹھتا ہے میرے دل سے
روح بک جاتی ہے تن بکتا ہے من بکتا ہے
جس نے اوتار جنے جس نے پیمبر پالے
اسی عورت کا سر راہ بدن بکتا ہے

جو لوگ عورت کو محض سامان عیش اور ایک کھلونا سمجھتے ہیں ان سے شاعر کا یہ خطاب ملاحظہ ہو ؎

تیرے نزدیک فقط عیش کا سامان ہے زن
آدمیت کے دل زار میں تو نشتر ہے
تو نے بازار کی ایک چیز ہی سمجھا جسکو
وہ تری ماں تری ہمشیرہ تری دختر ہے

اس نظم میں شاعر کا رویہ عورت سے ہمدردانہ ہے۔
نظم تہذیب میں شاعر نے تہذیب کے تخریبی رُخ کو پیش کیا ہے کہ وہ تہذیب جسے آدمی نے اپنی کوشش پیہم

سے سنوارا اور پتیوں سے ابھارا آج وہی تہذیب کھائے جاتی ہے نسل آدم کو۔

غرض احساس کی صلیب کا شاعر اپنی غزلیات نظمیات اور قطعات میں باوقار اور سنجیدہ شاعر کی حیثیت سے ابھرتا ہے اور آسمان شاعری پر چھا جاتا ہے اس کا لہجہ متوازن اور زبان و بیان پاکیزہ اس کا مشاہدہ گہرا اور گمبھیر ہے وہ تجربات کی بھٹی میں تپ کر کندن بن چکا ہے احساس کی صلیب میں صابر اور صلیب یک جان دو قالب بن کر رہ گئے ہیں۔ اور یہی فن کی معراج بھی ہے کہ صابر کے معنی صلیب اور صلیب کے معنی صابر ہو گئے ہیں۔

دل حساس صلیبوں کا مقدر نکلا
پھینک کر مارا ہوا پھول بھی پتھر نکلا

جاوید وشسٹ
شعبۂ اردو ذاکر حسین کالج
دہلی ۶

جناب یوگیندر پال صابر کہنہ مشق اور مستند شاعر ہیں۔ آپ کا کلام ادبی حلقوں میں اعتبار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ صابر اپنے ہم عصروں میں اس اعتبار سے ممتاز ہیں کہ ان کے کلام میں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ خیال کی ندرت اور بیان کی تازگی بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ عام طور پر کہنہ مشق اور پختہ کار شعراء سنگلاخ زمینوں میں قافیہ پیمائی کرنا ہی اپنے فن کی معراج سمجھتے ہیں۔ لیکن یوگیندر پال صابر کے کلام میں قافیہ پیمائی نہیں بلکہ معانی آفرینی بھی ہے اور گداختگی بھی صابر جانتے ہیں کہ دل کی گداختگی کے بغیر شمع سخن کا حسن فروغ نہیں پاسکتا ہے دل کا یہ سوز و گداز ہی شاعری میں اثر پیدا کرتا ہے اور اشعار کو گنجینۂ معنی کا طلسم بنا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ صابر کے یہاں مشکل زمینوں میں بھی دل کو چھو لینے والے اشعار مل جاتے ہیں۔

احتشام اختر

لکچرار شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، کوٹہ

راجستھان

یوگیندر پال صابر اردو شاعری کے سچے مخلص اور کھرے عاشق ہیں.
انہوں نے اپنی آتما کی آواز کو غزل بنایا ہے اپنی اس سچی اور روحانی
آواز کو مرمر کے پالا ہے شاعری کی پوری تاریخ ان کے سامنے ہے. غزل
کی تہذیب کو وہ اپنے جگر کا لہو پلا پلا کر دائم اور قائم رکھنا چاہتے ہیں
یوگیندر پال صابر اپنی غزلوں اور رباعیوں میں فکر و فن کی پوجا کرتے ہیں
میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں انھیں بہت قریب سے جانتا ہوں ان کے
گھر کے انتہائی سعادت مند اور شریف بچوں کے ساتھ رہا ہوں یہ سب
زبان و ادب کی سرسوتی کی پوجا کرتے ہیں.
شکوہ آباد جیسے قصبے میں یہ ممکن نہیں کہ مشاعرے ہوں اور
یوگیندر پال صابر جیسے مشہور شاعر اس مخلوق سے محفوظ رہ سکیں.
جو مشاعرے میں پیدا ہوتی اور مشاعرے ہی میں مر جاتی ہے. نوٹنکی
کے ان شہزادوں اور فن قوالی کے ان ناکام فنکاروں کے کرّ و فر
جلال و جمال اور عظیم معصوم جہالت پر صابر جیسے ادبی بزرگ خون کے
آنسو روتے ہیں ان کے محض رونے پر میں زیادہ ہمدردی کا اظہار نہیں
کرتا کہ میرا طریق کار مختلف ہے میں ان پاکیزہ اور شریف عورتوں سے
اتفاق کرتا ہوں جو اپنے محبوب کو بازاری بیسواؤں سے دو لمحے میں واپس
چھین لیتی ہیں. اور انھیں انکی حیثیت بتانے کے لئے ردائے لالہ و گل اور
پردۂ مہہ و انجم سے باہر آجاتی ہیں یہ ذکر اس لئے ضروری تھا
کہ صابر صاحب مشاعرے کی بے ہودگیوں پر انگاروں

پر لوٹتے ہیں اور اپنا جی بہلاتے ہیں بہر حال یہ سچا جذبہ اور عاشقانہ بے باکی تمام مصلحتوں سے بے نیاز ایک قابل قدر رویہ ہے یوگیندر پال صابر نے اپنی غزلوں اور رباعیوں میں اردو شاعری کی اعلیٰ ترین روایات کا احترام کیا ہے اور اپنے تازہ احساسات اور تجربات سے اس آئینہ خانے میں ایسے منظر سجائے ہیں جو انھیں بقائے دوام عطا کریں گے۔

ڈاکٹر بشیر بدر
ڈی۔ ۱۲۰ شاستری نگر، میرٹھ
(یو۔ پی)

۸ رجون ۱۹۸۴ء

یوگیندر پال صابر اور اُنکا فن

ڈاکٹر امام مرتضیٰ نقوی
محلہ گذری۔ امروہہ ضلع مراد آباد۔ (یو۔پی)

یوگیندر پال صابر دیسے تو انگریزی ادب کے استاد ہیں لیکن اردو سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ وہ سخن فہم بھی ہیں اور سخن گو بھی۔ قدرت نے ان کو شاعرانہ صلاحیت ودیعت کی ہے اور انہوں نے بھی اس صلاحیت کا بڑا صحیح تصرف کیا ہے انہوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی۔ قطعات بھی کہے ہیں اور مرثیہ جیسی نازک صنف پر بھی طبع آزمائی کی ہے ان کے پاس شاعر کا دل اور بیسوی صدی کے بیدار انسان کا دماغ ہے انہوں نے وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے مختلف جذبات کو اپنے کلام میں پیش کیا ہے ان کی غزلوں اور قطعوں میں عصری حسیت ملتی ہے موجودہ نظام حیات کی بے راہ روی طبقاتی کشمکش اور جنسی آوارگی نے ان کے اندر ایک تلخی اور جھنجلاہٹ پیدا کر دی ہے۔

ہم غریبوں کو وفاؤں کا تو رہتا ہے خیال
اہلِ دولت کی محبت میں تو اتنا بھی نہیں

جو کچھ اللہ نے بخشا ہے بہت ہے صابر
مجھ کو قسمت سے کسی بات کا شکوہ بھی نہیں

اردو شاعری میں جنسی معاملات اور روایتی عشق و محبت کی باتیں جو رچ بس گئی ہیں صابر نے ان سے انحراف کیا ہے ؎

جنسی معاملات نہیں شاعری کے اہل
کوئی حسین فکر کیا کیجیے جناب !

جنسی معاملات کا دروازہ بند کر کے وہ اخلاقیات کا دروازہ اپنی غزل میں کھولتے ہیں ؎

دیکھنے والے نہ بنظرِ حقارت صدف کر کہ گہر
اسی آغوش میں پلتا ہے گہر ہونے تک
یہ آدمی بھی ہے تصویر رنگ و روغن کی
جو صرف دور سے اچھا دکھائی دیتا ہے

ان کے کلام میں مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی ملتی ہے۔

جس دن سے کچھ احساس ہوا ہے مجھے تیرا
یہ عالمِ صد رنگ تماشا سا لگے ہے
گلزار رُخِ یار کا جلوہ سا لگے ہے
ہنی کسی انگلی کا اشارہ سا لگے ہے

صابر نے اپنے کلام میں بعض جگہ بڑی عمدہ تشبیہیں استعمال کی ہے مثلاً ؎

وہ سادگی وہ حسن وہ معصومیت وہ کیف
آنکھیں ہیں ان کی میر کے اشعار کی طرح

انہوں نے غالب کی زمین میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ مثلاً ایک غزل ہے ؎

ظلم زندہ ہے اندھیرے میں بسر ہونے تک
شمع کی شعلہ مزاجی ہے سحر ہونے تک
عشق کی رسم تو زندہ ہی رہے گی صابرؔ
ہم اگر مر بھی گئے زلف کے سر ہونے تک

ایک جگہ فیضؔ کی زمین میں غزل کہی ہے

مرا ادب کہ میں گلچیں نہیں بنا ورنہ
بہت قریب سے میرے بہار گزری ہے
تڑپ تڑپ کے امید جواں کا دم نکلا
ٹھہر ٹھہر کے شب انتظار گزری ہے

ڈاکٹر امام مرتضیٰ نقوی امروہوی

پیش لفظ

جناب ڈاکٹر کرامت علی کرامت

کٹک (اڑیسہ)

حضرت ابر احسنی گنوری کے مستند معتبر اور فارغ التحصیل تلامذہ میں عنوان چشتی، ظہیر غازی پوری، تسنیم فہیمی، سیفی پریمی اور یوگیندر پال ثاقب کا ذکر بطورِ خاص آتا ہے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے زبان و بیان اور فن کی بابت ابر صاحب کا رویہ نہایت محتاط تھا اور آپ کا عقیدہ تھا کہ شاعر کے نیک کردار کا عکس اس کے شعر پر بھی پڑنا چاہیے۔ میں خود ابر صاحب سے بھی مل چکا ہوں اور ان کے کئی تلامذہ سے بھی۔ ان سب سے مل کر مجھے یہی احساس ہوا ہے کہ ابر صاحب کے ذہن میں اچھا شاعر بننے کے لئے "اچھے انسان" کا جو معیار برقرار تھا، ان کے اکثر تلامذہ اس پر پورے اترے ہیں۔ میں ابھی تک یوگیندر پال صابر سے شرفِ ملاقات حاصل نہ کر سکا لیکن انہوں نے ذیل کے اشعار میں اخلاقیات کا جو سبق دیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کردار پر ابر صاحب کی شخصیت کا بہت گہرا اثر ہے۔

بڑا عذاب بھی ہے لذتِ گناہ کے بعد
دلِ گنہ میں جو پنہاں ہے اس سزا سے ڈرو

یہی نہ ہوگا کہ حیواں تمھیں بنا دے گی
جو دردِ دل کو مٹاتی ہے اس دوا سے ڈرو
ہر آدمی ہے محبت کا مستحق صابر
جو بانٹتی ہے گروہوں میں اس بلا سے ڈرو

———:———

رہِ حیات میں اچھے ملے برے بھی ملے
زباں سے ہم نے کسی کو مگر برا نہ کہا

یوگیندر پال صابر کی زبان نہایت صاف ستھری، رواں دواں اور پاکیزہ ہے ان کے اندازِ بیان میں پیچیدگی نہیں سادگی ہے۔ مرعوب کن پیکر تراشی نہیں واردات قلبی کا براہِ راست اظہار ہے

صابر کا سن پیدائش ۱۹۲۵ء ہے موصوف نے انگریزی زبان کے درس و تدریس میں عمر گزار دی۔ اس اعتبار سے انھیں یا تو ترقی پسندوں کا ساتھ دینا تھا یا انگریزی کی نظموں کو اردو میں منتقل کر کے انھیں اپنے نام سے چھپوا کر اردو کے جدید شاعروں میں اپنا مقام بنا لینا تھا۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اپنے ذوق و وجدان ہی کو اپنا رہنما بنایا اور اس روایت کی توسیع کی جو مصحفی، شاد عظیم آبادی، یاس یگانہ، شاد عارفی اور فراق کے توسط سے ہمارے پاس پہنچی ہے ذیل کے اشعار سے میری بات سمجھنے میں آپ کو آسانی ہوگی۔

ہے پیاس بہت وسعتِ صحرا بھی بہت ہے
اس وقت جو مل جائے تو قطرہ بھی بہت ہے

دلِ احساس صلیبوں کا مقدر نکلا — پھینک کر مارا ہوا پھول بھی پتھر نکلا

وہ سادگی وہ حسن وہ معصومیت وہ کیف — آنکھیں ہیں انکی میر کے اشعار کی طرح

کچھ دیر میرے پاس وہ رک کر چلے گئے — لیکن وہ چند گھڑیاں کئی سال بن گئیں

یہ شوخ دل جو ذرا سا دکھائی دیتا ہے — بڑھے تو حاصل دنیا دکھائی دیتا ہے

وہ سادگی کا زمانہ تھا جسمیں روتا تھا — سمجھ لیا ہے جو سب کو تو ہنس رہا ہوں میں

گلزار رخ یار کا جلوہ سا لگے ہے — پتی کسی انگلی کا اشارہ سا لگے ہے

دیکھنا ہے ہمیں انجام جفائے شب تار — زندہ رہنا ہے بہر حال سحر ہونے تک

اب ہمارے آگے چھیڑو سکھ اور دکھ کی بات — دن میں تھوڑی دیر ہنستے تھے روتے ساری رات

صابر کے بعض اشعار میں ہندو فلسفہ کا عکس نظر آتا ہے مثلاً جہاں غالب "کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک" کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں وہیں صابر "کرم یوگ" کے فلسفہ سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں ؎

عشق کی رسم تو زندہ ہی رہے گی صابر — ہم اگر مر بھی گئے زلف کے سر ہونے تک

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عشق کرنا ہمارا کام ہے سو ہم کرتے جائیں گے چاہے زلف سر ہو کہ نہیں اس سے ہمیں سروکار نہیں یہی گیتا کا فلسفہ ہے

صابر کی شاعری کا ایک نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ اسمیں طنز کا عنصر ابھر کر سامنے آیا ہے اور یہ بات ان کے دیگر ہم عصروں میں بہت کم کہیں اور پائی جاتی ہے. اپنے طنزیہ اشعار کے لئے انہوں نے الگ لفظیات اور الگ ذخیرۂ الفاظ بھی معین کئے ہیں ممکن ہے یہ لفظیات امکانات بادی النظر میں بہت کھردرے اور غیر جاذب معلوم ہوں لیکن اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ ان میں وسیع شعری امکانات پوشیدہ

یہیں صابر کے طنزیہ اشعار کی کڑی یاس یگانہ اور شاد عارفی سے جوڑی جاسکتی ہے لیکن ان میں شاعر کی اپنی جو انفرادیت پوشیدہ ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ذیل کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

ہے کام حسن کا دغا ان سے کام کیا لوگے
ببول پالے ہیں تم نے تو آم کیا لوگے
وفائیں بیچنے دنیا کے مارکیٹ میں چلو
مگر یہ سوچ لو پہلے کہ دام کیا لوگے

وعدے ہیں ان کے وعدہ سرکار کی طرح
بھرتے ہیں پیٹ لفظوں سے اخبار کی طرح

بند رہنے دو کہیں جاؤ کہ گوہر نکلا
سخت جھینپو گے اگر سیب میں کنکر نکلا

یہ آدمی بھی ہے تصویر رنگ و روغن کی
جو صرف دور سے اچھا دکھائی دیتا ہے

اٹھا کے پردۂ افلاس دیکھئے اس کو
یہ کال گرل بھی ہے پاکباز زن کی طرح

ہر چیز خوبصورت و آساں کہاں سے آئے
یہ زندگی ہے کوئی سنیما کا شو نہیں

نیند اسکی ہے دماغ اسی کا ہے اسکی رات
جسکو بھی مل گیا ہے کرایے کا گھر جناب

بازار میں ہم نکلیں تو آوارہ کہے جائیں
گھر بیٹھیں تو کہتے ہیں کہ مغرور بہت ہے

حق پرستوں کے جو ہیں نیزوں پہ سر کیا کیجئے
اس شجر کا ہے یہی تلخ ثمر کیا کیجئے

صابر کے قطعات میں بھی طنز کا عنصر بڑے خوبصورت انداز میں ابھر کر سامنے آیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

یہ شانِ دیدہ وری ہے کہ کور چشمی ہے
زمیں کا ہوش نہیں عرش پر نگاہیں ہیں
جو جنگ زیست سے ڈرتے ہیں ان لوگوں کیلئے
شراب و شاہد و مذہب پناہ گاہیں ہیں

کتنی دیکھی ہیں عصمتیں میں نے
روح کو پائمال دیکھا ہے
کیوں نہ ہو ناز کفر پر مجھ کو
میں نے مذہب کا حال دیکھا ہے

حسنِ عالم بڑھایا ہے لیکن
ظلم بھی شاعروں نے ڈھالے ہیں
بیوگی کی سبھی کی ہیں تعریفیں
جنگ سی شے کے گیت گائے ہیں

ظاہر ہے کہ اس قسم کے طنزیہ اشعار کے پس پردہ شاعر کا ایک تعمیری شعور کارفرما ہے۔ صابر کو ایک ایسی دنیا کی آرزو ہے جو تصنع اور ریاکاری سے پاک ہو، جہاں ظلم و استبداد نام کی کوئی چیز نہ ہو جہاں ہوسناکی کے مقابلے میں محبت کا مقدس جذبہ عام ہو اور جہاں اماوس کی سیہ راتوں کو فکرِ آدم نور کے زیور سے مزین کر رہی ہو ان کا عقیدہ ہے کہ انسان اگر محبت کی تیز آگ میں خود کو جلا دے تو دیوتا کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں صابر صاحب کا یہ شعر بطور خاص پیش کرنا چاہوں گا جسے ان کی تمام شاعری کی روح قرار دیا جا سکتا ہے۔

جلا چکی ہے محبت کی تیز آگ مجھے
ادب کرو مرا لوگو کہ دیوتا ہوں میں

کرامت علی کرامت
کٹک ۱۲ ستمبر ۱۹۸۲ء

یوگیندر پال صابر کی شاعرانہ عظمت

از سید حسن عباس گوپال پوری

جناب یوگیندر پال صابر اتر پردیش کے اس مردم خیز خطہ سے تعلق رکھتے ہیں جس نے علم و ادب اور ذوق شعر گوئی کی راہیں خوب خوب ہموار کی ہیں۔ آپ کے والد ماجد جناب چودھری بشال سنگھ صاحب رئیس موضع بری ضلع فرخ آباد خود ایک علم دوست اور علم پرور انسان تھے اور جن کی علم دوستی اور انسان دوستی کی بڑی بڑی کہانیاں مشہور ہیں لوگ آج بھی ان کا نام بڑی عزت سے لیتے ہیں

صابر کا ذہن و ذکاوت اپنی جگہ مسلم۔ ان کا وسیع مطالعہ اور گہرا مشاہدہ ان کی شاعری میں رچا بسا نظر آتا ہے ان کی شاعری ایک کھلی کتاب ہے جسمیں روایت اور جدت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ایسی جدت جو روح کو تازگی بخشتی ہے۔۔ اسا تھ ہی مسائل حیات کی وضاحت میں بڑی حد تک ہمارا ساتھ دیتی ہے اگر ان کا وہ کلام پڑھئے جو محمدؐ اور آل محمد کی شان میں ہے تو طہارت قلب اور پاکیزگی نفس کے ساتھ عرفان و آگہی اور عقیدت و محبت کے جذبات صابر کی وسعت نظر اور وسعت قلب کا پتہ دیتے ہیں۔ ان کی ہمدردی ایثار، محبت، شرافت، وفاداری، انسانیت، خلوص، اور نیک نیتی ہمارا دامن دل کھینچ لیتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ کلام پڑھتے وقت ہم آپ کسی ریاستی یا صوبائی تعصب سے الگ ہٹ کر انسانیت اور شرافت کے اس مینار پر ہوں جہاں سے کوئی انسان بونا نہیں بلکہ برابر کا نظر آتا ہے صابر کے اسلوب میں جو تازگی اور سچائی ہے وہ انسان کو پہچان کے لئے

کافی ہے اور موضوع سے گہرا تعلق اور پیش کش میں خلوص کے علاوہ
سچائی انھیں شاعرانہ امتیاز عطا کرتی ہے بقول ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

"جب بات دل سے نکلے روح میں رچ کر نکلے تو اسٹائل
یا اسلوب بنتا ہے یعنی جب لکھنے والا اپنا خونِ جگر اپنے
اپنے سچے جذبات بھی اس تحریر میں شامل کر دے جسے
وہ لکھ رہا ہے تو اس تحریر کا لب و لہجہ اور انداز اس کا
خاص انداز ہو جاتا ہے اور یہ دوسروں سے اسی طرح
مختلف ہوتا ہے جیسے اس کی اپنی شکل و صورت۔"

جب ہم صابر کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں انھوں
نے اپنے موضوع سے دلچسپی خلوص و محبت دل سوزی و جگر کاوی کی
کی حد تک دکھائی ہے۔ شاعری ان کے نزدیک تفریح طبع کا سامان
نہیں بلکہ تجدید ماحول کا ایسا موثر ذریعہ ہے جس سے انسانیت کا
فروغ ہو سکے۔ سماجی اور معاشرتی بہبودی ان کا خاص موضوع ہے
وہ تجربات و مشاہدات کو شعری لباس عطا کرتے وقت اس کا
خیال رکھتے ہیں کہ یہ تجربات ہماری زندگی کے الجھاؤوں کو کسی
حد تک کھولنے کی کوشش کریں

صابر کے اسلوب میں جو تازگی اور سچائی ہے وہ ان کی پہچان کے لئے کافی ہے۔

سید حسن عباس گوپالپوری
گوپالپور پوسٹ آفس باقرگنج
ضلع سیوان بہار

یہ صلیب احساس کی

از بسیم خیرتی

میں نے برادر معظم جناب طالب چکوالی کے دوسرے شعری مجموعے "برگِ زرد" پر تبصرہ لکھنے کا قصد کیا تو انہوں نے فرمایا " جو جی میں آئے لکھئے " گویا انہوں نے مجھے کھلی چھٹی دے دی کہ اپنے احساسات بلا رو و رعایت قلمبند کروں باوجودیکہ ان کا مجھ پر بزرگانہ حق ہے " احساس کی صلیب " کے خالق یوگیندر پال صابر دوسرے شاعر ہیں جنھوں نے مجھ سے کچھ ایسی ہی بات چاہی ورنہ ہوتا یہ ہے کہ مصنف حضرات تقریظ نگاروں سے بالعموم اپنے حق ہی میں لکھوانے کی توقع اور تمنا رکھتے ہیں کھلے طور پر نہ سہی لیکن دبے لفظوں میں وہ اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر ڈالتے ہیں یا پھر خود ہی تقریظ نگار ہی تخلیق کار کی خوشنودی کے خیال سے اور اگر ایسا نہ ہو تو کسی اور مصلحت کے پیش نظر تعریف ہی تعریف کی روش اپناتے ہیں۔ ایسی آرا کو میں محض تصنع ہی کہوں گا۔ البتہ بعض حضرات اگرچہ معدودے چند، ایسے بھی ہیں جو ان باتوں سے بالاتر رہ کر اپنے حقیقی محسوسات قلمبند فرماتے ہیں۔ فی الواقعہ وہی سچے تقریظ نگار سمجھے جانے کے مستحق ہیں۔

میں نے صابر کے کلام کا جستہ جستہ لیکن توجہ اور دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے اور ان کی مجموعی ہیئت سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔

کتاب کا نام بھی اچھوتا ہے اور کلام میں بھی دیگر محاسن کے علاوہ غایت درجہ کی ندرت پائی جاتی ہے۔

جب کبھی مجھے کسی مجموعہ کلام پر تقریظ لکھنے کا اتفاق ہوا ہے میں نے اشعار کے نمونے پیش کرنے سے اکثر دانستہ گریز کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہر قاری کی اپنی جدا گانہ پسند ہوتی ہے جب کتاب اس کے ہاتھ میں ہے تو قاری اس مذاق کے مطابق خود ہی اس میں مندرجہ اچھے برے اشعار کی تمیز کرے گا۔ یہاں مجھے یہ حق ضرور ہے کہ میں اپنی پسند کے اشعار کی داد دوں اور جو اشعار مجھے پست یا سقیم نظر آئیں ان پر ناک بھوں چڑھاؤں۔ لیکن میری دانست میں ایسا مجھے اپنی تحریر میں ان شعروں کا ذکر کئے بغیر کرنا چاہیئے۔

میری رائے میں صابر ایک سلجھے ہوئے شاعر ہیں ان کے کلام میں شعری محاسن بکثرت پائے جاتے ہیں اور یہ خصوصیت ہر شاعر کا حصہ نہیں "احساس کی صلیب" کتاب کے نام کا علم ہونے پر تو میں چونکا ہی تھا۔ اس میں جابجا بیسیوں شعر مجھے ایسے نظر آئے جنہیں پڑھ کر ذہن کبھی ناقابل بیان کیفیت کے احساس سے چونک اٹھا اور پھر آن کی آن میں کچھ ایسی بات ہوئی ع

قلم چوم لینے کو جی چاہتا ہے

صابر کے کلام کا وصف خصوصی ہے۔ سادگی کے دوش بدوش ان کی پُرکاری بے معنی اور پیچیدہ شاعری سے انھیں چڑ ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر شعر بالکل واضح اور غیر مبہم ہے کہیں کوئی الجھاؤ نظر نہیں

آتا۔ جدت طرازی کی مثالیں بھی ان کے یہاں بہ افراط ملتی ہیں لیکن معقول اور جو بات معقول ہو وہ مقبول بھی ضرور ہوتی ہے۔ اسی لئے مجھے ان کا ادبی مستقبل نہایت درخشندہ نظر آتا ہے۔

صابر بے راہ روی کے قائل ہیں نہ اندھی تقلید کے۔ ان کے جذبات سے ایک درد مند انسان کے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں۔ ان دھڑکنوں کو شعری لباس پہنانے میں انہیں شاید ہی کبھی کوئی دقت پیش آئی ہو۔ ان کے یہاں لفظوں کا بھرپور خزانہ تو ہے ہی برجستہ انتخاب کا کام ان کی خداداد موزونیٔ طبع از خود اور بے ساختہ سرانجام دیتی ہے۔ یہی صابر کی موثر فن کاری کا راز ہے۔

عالم ناسوت ہو یا عالم لاہوت ہو
کوئی بھی منزل بشر کی آخری منزل نہیں

بسیم حیرتی
بی ۱۷، نارائن وہار
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۸

گزارش

میری زندگی میں دو نہایت سخت بندھن تھے۔ پہلا بندھن تو ۲۴ جنوری ۱۹۸۱ء کو جس دن میں نے نظم 'پاکیزہ امانت' کہی تھی کٹ گیا دوسرا بندھن میری شاعری ہے اگر یہ کتاب "احساس کی صلیب" آپ کے پیش نظر ہے تو سمجھئے کہ میرا دوسرا بندھن بھی کٹ گیا۔ اور اب میں بالکل آزاد ہوں۔ آئندہ کے لئے یہ طے کر لیا ہے کہ اب کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو مجھے باندھ سکے احساس کی صلیب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے کیا کہا، کیسا کہا۔ اور کیسے کہا اسکا فیصلہ آپ کے خلوص و محبت کے ہاتھ میں ہے۔
ہاں ان اشعار کو پڑھتے وقت یہ خیال رکھیئے گا کہ میں تقریباً چالیس پینتالیس سال سے شعر کہہ رہا ہوں اس مجموعہ میں اس زمانے کے کہے ہوئے اشعار بھی شامل ہیں جب جدید غزل یا جدید نظم کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا ان دنوں روایت کی پرستش ہوتی تھی اگر کوئی شاعر نئی بات کہتا تو اساتذۂ فن "ان سنی بات" کا فتویٰ دیدیتے اور یہ "ان سنی بات" ایک عیب ہوتا تھا میں ان دنوں میں بھی معتوب رہا بہت سے اشعار جو میں نے غزل میں کہے تھے ان کے لئے یہ حکم ہوا کہ یہ اشعار غزل کے نہیں ہوسکتے اس لئے میں نے انھیں قطعہ بنا کر محفوظ کر لیا۔

بس اپنے زمانے اور حالات کا ایک حصہ ہوں۔ ہر شخص ہوتا

ہے۔ ہم کبھی کبھی کسی کی تعریف میں کہہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے وقت سے بہت آگے ہے یا تھا تو یہ عقیدت مبالغہ یا اسی قبیل کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ جس مستقبل کا ابھی جنم ہی نہیں ہوا کوئی اس کا حصہ کیسے ہو سکتا ہے؟

میرے زمانے میں موجودہ "جدید" غزل یا نظم کو شاعری ہی تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فن غزل گوئی کی تو خیر پابندیاں اتنی سخت ہیں کہ غزل میں کسی بنیادی تبدیلی کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور اسی لئے جدید غزل گو بھی اس کے پابند ہیں یہاں جو بات کہتے ہیں اور جس طرح کہتے ہیں اس میں ضرور فرق آگیا ہے میرا یقین ہے کہ چند سال بعد یہ انداز اتنا عام ہو جائے گا کہ لوگ اسی کو غزل کا اصلی روپ ماننے لگیں گے بلکہ ایک بڑی حد تک تو اس وقت بھی مان رہے ہیں۔ لیکن نظم نے تو اپنی صورت اسقدر بدل لی ہے کہ میرے زمانے کا کوئی آدمی اسے پہچان نہیں سکتا۔ اس لئے اگر میری نظمیں روائتی فن شاعری کی پابند ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس کے علاوہ کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا تھا قطعات میں نے بہت کہے ہیں۔ اب شاید قطعہ و رباعی کہنے کا رواج نہیں ہے لیکن میں تو کہہ ہی چکا ہوں ملاحظہ فرمائیے۔

گزشتہ تیس سال میں زندگی اور شاعری کی اقدار جس برق رفتاری سے بدلی ہیں وہ سب پر ظاہر ہے میں نے اسی سے متاثر ہو کر ایک شعر کہا تھا۔

رات جب سویا تھا میں تب تھا جواں
صبح کو سو کر مگر بوڑھا اٹھا

شکوہ آباد میں جہاں میں گزشتہ چھتیس سال سے اے کے پوسٹ گریجویٹ کالج میں انگریزی زبان کے درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ اردو کا کوئی خاص ماحول نہیں ہے مجبوراً اپنے کلام کا انتخاب خود مجھے ہی کرنا پڑا ہے۔

اس کتاب کو اب سے پچیس سال پہلے شائع ہو جانا چاہیے تھا۔ پھر شائع کیوں نہیں ہوئی؟ جن حضرات نے شکسپیئر کے ہیملٹ کا مطالعہ کیا ہے اور ہیملٹ کے کردار کو بخوبی سمجھتے ہیں ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کا انتظام ایک ہیملٹ کے سپرد تھا۔ بھلا وہ کام صحیح وقت پر کیسے ہو سکتا تھا اور جن جن حضرات نے ہیملٹ نہیں پڑھا ان سے عرض ہے کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ قبل از وقت کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

میں محترم جناب ڈاکٹر جاوید وششٹ صاحب، محبّی ڈاکٹر بشیر بدر صاحب، جناب ڈاکٹر امام المرتضیٰ نقوی صاحب، جناب ڈاکٹر کرامت علی کرامت صاحب، جناب نسیم خیرتی صاحب، مکرمی پروفیسر احتشام اختر صاحب اور عزیزی سید حسن عباس صاحب گوپالپوری (بہار) کا انتہائی شکر گزار ہوں ان حضرات نے اپنے گرانقدر تبصرے اور آراء عنایت فرما کر میری بڑی ہمت

افزائی فرمائی۔ میں اپنے بھائی جناب تسخیر فہمی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے "زبردستی" یہ کتاب اردو میں چھپوانے کے لئے مجبور کیا احباب شکوہ آباد تو اس کتاب کو ہندی میں چھپے اُنے کا تقاضا ایک بڑی مدت سے کر رہے تھے۔ میں جناب شفیع اللہ خاں۔ آنہ اُناوی کا بھی شکر گزار ہوں۔ راز صاحب نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے بڑی محنت اور عرق افشانی کی ہے۔

میں اردو اکاڈمی لکھنؤ، اتر پردیش کا انتہائی ممنون ہوں کہ اسی کے مالی تعاون سے میرا یہ مجموعہ کلام "احساس کی صلیب" شائع ہو رہا ہے۔

رخصت ہونے سے پہلے آپ سے ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں جو میں نے اپنے اس شعر میں کہی ہے۔

مجھ کو دنیا سے کچھ نہیں لیتا
ہاں مرے پاس جو ہے حاضر ہے

یوگیندر پال صابرؔ
محلہ کھترانہ شکوہ آباد ضلع مین پوری (یوپی)

○

دلوں کے درد کو سمجھو غمِ خدا سے ڈرو
کسی غریب کی بے لفظ بد دعا سے ڈرو

گنہ سکھایا ہے انساں کو پارسائی نے
گناہ گار کو اپناؤ پارسا سے ڈرو

اِدھر کنواں ہے تو کھائی اُدھر ہے نادانو
سکوں میانہ روی میں ہے انتہا سے ڈرو

یہی ہے ہمتِ مرداں یہی شرافت ہے
ستمگروں سے کرو جنگ بے نوا سے ڈرو

بڑا عذاب بھی ہے لذتِ گناہ کے بعد
دلِ گنہ میں جو پنہاں ہے اس سزا سے ڈرو

یہی نہ ہو گا کہ حیواں تمھیں بنا دے گی
جو دردِ دل کو مٹاتی ہو اس دوا سے ڈرو

وہ خوبیاں کرے ثابت جو تم نہیں رکھتے
مزہ کبھی آئے تو اس ملامت [مذمت] و ثنا سے ڈرو

جہاں میں سب سے بڑا محتسب تو عشق ہی ہے
غلط ہے شیخ کا کہنا کہ تم خدا سے ڈرو

ہر آدمی ہے محبت کا مستحق صابر
جو بانٹتی ہے گروہوں میں اس بلا سے ڈرو

○

ہر جگہ اب ہیں آدمی تنہا
بھیڑ میں سب مگر سبھی تنہا

حسن فطرت دکھائی دے کیسے
آپ رہتے نہیں کبھی تنہا!

موت افواج لے کے آئی ہے
دوسری سمت زندگی تنہا

چھوڑ کر ساتھ آدمیت کا
آج کتنا ہے آدمی تنہا

کون حائل ہے اپنے ملنے میں
ہم بھی تنہا ہیں آپ بھی تنہا

شہر کے شور و شر سے گھبرا کر
جا بسی بن میں شانتی تنہا

ہے سیاست کے ہاتھ میں دنیا
اک کھلونا ہے شاعری تنہا

مجھ کو اپنے ہی سا تنہا دیکھا ہے
کاش تم دیکھتے کبھی تنہا

تیرا صابر تری تلاش میں ہے
مل کسی وقت زندگی تنہا

○

تخم میں کیا ہے نہاں خوابِ گلستاں کے سوا
زندگی کچھ بھی نہیں "ہونے" کے امکاں کے سوا

ساری کلیاں ہیں گلستاں میں عرق کی بوندیں
بے مشقت نہیں کچھ ملتا بیاباں کے سوا

لوگوں کا شور رندوں کی ہلچل سے کم نہیں
کہتے ہیں جس کو شہر وہ جنگل سے کم نہیں

○

○

لوگ کچھ بیشتر نہیں ہوتے
جسم ہوتے ہیں سر نہیں ہوتے

جو زمانے کے کام آتے ہیں
اُن فرشتوں کے پر نہیں ہوتے

پیار کا ایک نام ہے یہ بھی
اینٹ پتھر کے گھر نہیں ہوتے

دین کو مان کر جو جھگڑے ہیں
دین کو جان کر نہیں ہوتے

جن میں دولت کا راج ہوتا ہے
اُن مکانوں میں گھر نہیں ہوتے

صرف رستہ بتاتے رہتے ھیں!
رہنما ہم سفر نہیں ہوتے

فخر کرتی ہے جن پہ فیاضی
وہ کبھی اہلِ زر نہیں ہوتے

حسن خود اپنی قدر ہے صابرؔ
شاخِ گل پر ثمر نہیں ہوتے

تو مری حالت سے کیوں گھبرا اُٹھا
چھوڑ مجھکو اپنا آئینہ اُٹھا

رات جب سویا تھا میں تب تھا جواں
صبح کو سو کر مگر بوڑھا اُٹھا

تھے حقیقت میں بہت کھٹے مگر
مل گئے انگور تب پردہ اُٹھا

خود فریبی دن میں ممکن ہی کہاں
رات بھر تو لطف خوابوں کا اُٹھا

اب تو صابر عشق بھی باقی نہیں
آج دِل میں درد یہ کیسا اُٹھا

قطعہ

سچ کے ہمراہ زیست مشکل ہے
یہ دیئے بجھ کے نور دیتے ہیں
حق کو ہم بوجتے تو ہیں لیکن
پہلے سولی ضرور دیتے ہیں

○

ہے کام جن کا دغا ان سے کام کیا لوگے
ببول پائے ہیں تم نے تو آم کیا لوگے

وفائیں بیچنے دنیا کے مارکٹ میں چلو
مگر یہ سوچ لو پہلے کہ دام کیا لوگے

یہ بدنصیب جو دکھ بانٹتے ہیں دنیا میں
انھیں معاف کرو انتقام کیا لوگے

دیا گیا ہو تمھیں ناک بھوں چڑھا کر جو
تمھیں بتاؤ کہ تم ایسا جام کیا لوگے

اسے بدلنا ہے ہر وقت ہر گھڑی ہر پل
پھر اس حیات سے عیشِ دوام کیا لوگے

کرم کے بدلے دعا بھی نہ تم قبول کرو
خدا خرید رہا ہو تو دام کیا لوگے

تمھیں نصیب ہے شاہوں کے سامنے سجدہ
مجھ ایسے خاک نشیں کا سلام کیا لوگے

جو ناپتے ہیں ترنم کے گز سے شاعر کو
تم ایسے لوگوں سے داد کلام کیا لوگے

دعا کرو کہ خدا بخش دے اسے صابر
زبان کو جو جھلس دے وہ نام کیا لوگے

○

ہمیشہ ذکرِ محبت پہ چپ رہا ہوں میں
مجھے خبر ہے کہ کیا بات کہہ گیا ہوں میں

گیا جو ہوش تو سمجھا ہوں اب کہ کیا ہوں میں
بجا کہا تھا کسی مست نے خدا ہوں میں

جلا چکی ہے محبت کی تیز آگ مجھے
ادب کرو مرا لوگو کہ دیوتا ہوں میں

وہ سادگی کا زمانہ تھا جس میں روتا تھا
سمجھ لیا ہے جو سب کو تو ہنس رہا ہوں میں

ہے میرے چہرے پہ نقشِ شہادتِ ادوار
زبانِ حال پہ ماضی کا مرثیہ ہوں میں

زباں سے کہہ کے کہ میں تم کو پیار کرتا ہوں
در اصل بھیک محبت کی مانگتا ہوں میاں

تمھارے حسن کی تابندگی کا کیا کہنا
وہ چاندنی تھی مگر اس سے جل گیا ہوں میاں

ملے جواب نہ کچھ بھی تو پھر وہی ہے جواب
کرو سوال کبھی آپ سے کہ کیا ہوں میں

خود آگہی سے ڈرے کیوں نہ آدمی صابر
ہر ایک شخص سمجھتا ہے بے خطا ہوں میں

○

ہوئے جب چھ فٹے رخصت تو ظاہر ہو گئے بونے
کھڑے ہو کر چھتوں پر بن گئے باون گزے بونے

فضائیں کھلکھلا کر ہنس پڑیں شرما گئے تارے
ہمالیہ سے ملانے ہاتھ جب آگے بڑھے بونے

سوا بربادیٔ اولادِ آدم کے ہوا کیا ہے
کبھی جب دیوتاؤں کی سی قوت پا گئے بونے

معما ہیں یہ تفریقیں سبھی اِن بونوں کی دنیا کا!
یہ چھوٹے یہ مجھولے اور یہ سب سے بڑے بونے

وہ اپنی نسل کو برباد کر سکتے ہیں جب چاہیں
یہاں تک تو ترقی کر کے آخر آ گئے بونے

اشاعت اپنے بونے پن کی کرتے ہیں زمانے میں
خود اپنی قوم سے ناراض ہیں کچھ دل جلے بونے

نکل کر جائیں اے صابر کہاں بونوں کے نرغے سے
پرانوں کی جگہ بھرنے کو امنڈے ہیں نئے بونے

ستان

○

وہ کچھ نہیں ہیں جنھیں قبر میں ملے ڈھانچے
نگاہ ہو تو کسی گھر میں دیکھیے ڈھانچے

یہ نوجوان جو پھرتے ہیں دربدر مارے
یہی بہت ہے کہ کہہ دیں انھیں نئے ڈھانچے

میں ہوں زمیں مری فطرت ہے پھول پھل دینا
مجھے جواب میں ملتے ہیں گو مرے ڈھانچے

زمیں کی سطح پہ کیا کیا نہ انقلاب آئے
زمیں کے بطن میں لیکن چھپے رہے ڈھانچے [۱]

کسی حسینۂ بے رحم سے ملے ہی بغیر
دکھائی دیتے ہیں کیوں خواب میں مجھے ڈھانچے [۲]

کسی مسیح کی آمد کا انتظار سا ہے
اکھاڑے بیٹھے ہیں کچھ لوگ دیر سے ڈھانچے

عجیب دور میں جیتے ہیں ہم بھی اے صابر
ہر ایک موڑ پہ ملتے ہیں ادھ مرے ڈھانچے

۱ Fossils
۲ La Belle Dame Sans Merci John Keats

(۵)

کس درجہ بے نقاب ہیں اندھیروں کے شہر میں
جو لوگ کامیاب ہیں اندھیروں کے شہر میں

دیوانہ کہہ رہے ہیں ہمیں ہیں جو ہوشیار
آنکھیں بھی اک عذاب ہیں اندھیروں کے شہر میں

چھو کر یقین کرتے ہیں ہر چیز کا یہاں
پتھر کے ’وہ جناب‘ ہیں اندھیروں کے شہر میں

خوابوں کو جانتے ہیں حقیقت یہاں کے لوگ
سچائیاں تو خواب ہیں اندھیروں کے شہر میں

پانی سمجھ کے غسل کئے جا رہے ہیں لوگ
کیا خوشنما سراب ہیں اندھیروں کے شہر میں

کہتے ہیں بس وہی جسے اندھے کریں پسند
شاعر بھی لاجواب ہیں اندھیروں کے شہر میں

خوشیاں ہیں سب گناہ شریعت میں شہر کی
غم باعثِ ثواب ہیں اندھیروں کے شہر میں

کچھ لوگ دیکھتے ہیں حقیقت سبھی شہر کی
لیکن وہی خراب ہیں اندھیروں کے شہر میں

صابرؔ نکل کے جائیں کہاں اس دیار سے
ہم موردِ عتاب ہیں اندھیروں کے شہر میں

O

ہیں چندر دیو آج مری رہ گزر جناب
کہیئے سمجھ میں آیا مقام بشر جناب

رخصت مرے وطن سے ہوا وہ ہنر جناب
میں سیکھتا رہا تھا جسے عمر بھر جناب

یہ ہے عجیب بات کہ کل تھی تلاش درد
اب آپ ڈھونڈتے ہیں کوئی چارہ گر جناب

شیطان کا بھی یہ کوئی مندر بنا نہ لیں
ہیں سربراہِ نظمِ جہاں اہلِ شر جناب

ہے دور میں مشین کے انساں بھی اک مشین
ہونٹوں پہ اب اک ہنسی ہے نہ ہے آنکھ تر جناب

زلفِ رسا و وسعتِ عالم شبِ فراق
اس دور میں سبھی ہیں بہت مختصر جناب

نیند اسکی ہے دماغ ہے اسکا ہے اسکی رات
جسکو بھی مل گیا ہے کرایے کا گھر جناب

تعزیر ختم کرکے ذرا سوچیئے کہ کیوں
ہوتا نہیں کسی پہ بھی کوئی اثر جناب

صابر بھی چل رہا ہے زمانے کے ساتھ ساتھ
کیوں چونکتے ہیں آپ غزل دیکھکر جناب

○

لے نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی ہیں
تیری زلفیں جسکے بازو پر پریشاں ہوگئیں

(غالب)

دل ہوشیار دن سے کہیں رات ہو نہ جائے
یہ عمر بھی گرفتۂ ظلمات ہو نہ جائے

ہر دم تلاشِ غیر میں رہتا ہے آدمی
ڈرتا ہے خود سے اسکی ملاقات ہو نہ جائے

ساقی یہ جام جام کی تکلیف تا بکے!!
اک روز کیوں شراب کی برسات ہو نہ جائے

بیٹھا ہوں تیری یاد میں سب کچھ بھلا کے میں
بند آج نبضِ ارض و سماوات ہو نہ جائے

خود آگہی بڑھی نہیں صابرؔ تو خوف ہے
معبود میرا خود ہی مری ذات ہو نہ جائے

غزل

ہمیں تو ان سے بھی الفت ہے رشک ہے نہ گلہ
جنھیں نصیب ترے حسن کا نظارہ ہے

صدا تمہاری سی تھی تم نہ تھے مگر موجود
تمام رات کسی نے مجھے پکارا ہے

کل کی عصمت کو گلی کوچے میں رسوا دیکھو
چشمِ عبرت سے یہ بدلی ہوئی دنیا دیکھو

تم تو طوفان سے ساحل پہ نکل آئے ہو
خوب اب ڈوبنے والوں کا تماشا دیکھو

ظلم سے بڑھ کے جفا کار ہے مظلوم کی بات
تیغ کے بعد زبانوں کا بھی چلنا دیکھو

تم نے اغیار نوازی کا نتیجہ دیکھا
اب نہ عشاق کو بے وجہ ستانا دیکھو

موت کو ہم نے لگایا ہے گلے اے بچو!
تاکہ تم زندہ رہو اوروں کو جیتا دیکھو

جلد ہی بدلیں گی سمت اپنی یہ موجیں صابر
کھول کر آنکھ ذرا وقت کا دھارا دیکھو

○

ا؎ یہ غزل مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد کہی گئی

قطعہ

ہم نہ کہتے تھے کہ تم بانٹ کے ہر شے کھاؤ
تم کہ ہو عیش کے دریا میں نہائے ہوئے لوگ

لوٹنے پر اُتر آئے تو تعجب کیا ہے
ظلم و افلاس و ضرورت کے ستائے ہوئے لوگ

○

شعورِ ترکِ شکایت بھی سخت مشکل ہے
مگر حیات سے رخصت بھی سخت مشکل ہے

برہنگی کو بُرا کہتے ہو مگر سوچو
برہنہ ہونے کی ہمت بھی سخت مشکل ہے

کروگے غور تو پاؤ گے کچھ ملاوٹ بھی
کسی سے صرف محبت بھی سخت مشکل ہے

وفا و عشق و محبت کا تذکرہ چھوڑو
تمھارے ساتھ عداوت بھی سخت مشکل ہے

صلیبِ دوش پہ کانٹوں کا تاج ماتھے پر
ہر آدمی سے محبت بھی سخت مشکل ہے

بشر کو کر دیا آزاد خلق میں صابرؔ
یہ زندگی کی عنایت بھی سخت مشکل ہے

○

پاؤں میں بیڑیاں تھیں رسن ہاتھ میں پھر بھی گا کر چلے مسکرا کر چلے
زندگی یاد رکھنا ہمیں دیر تک ہر طرح ہم ترا حق ادا کر چلے

اس میں سب سے بڑی ہے یہی دلکشی چلتی رہتی ہے ہر حال میں زندگی
ہو خوشی کی گھڑی تو چلے جھوم کر غم جو آئے تو آنسو بہا کر چلے

غیر میں اور تم میں یہی فرق ہے یوں تو منسوب دونوں ہی برق سے
ایک آئے تو بجلی سی سر پہ گرے ایک جائے تو بجلی گرا کر چلے

ہم تھے اور آسمانوں کا میدان تھا ہر طریقے کا بھرپور امکان تھا
زندگی وہ بھی انسان کی زندگی کیسا موقعہ تھا جسکو گنوا کر چلے

زندگی میں ملے غم تو کچھ غم نہیں وقت رخصت یہ تسکین بھی کم نہیں
دشمنوں سے بھی صابر نہ کی دشمنی بے وفاؤں سے بھی ہم وفا کر چلے

دردِ الفت کا علاج ایک ہے یعنی الفت !
رحیم بیچارے سے کیا اس کا مداوا ہوگا
آپ کے لطف و عنایت کا سہارا لے کر
ہم اگر جی بھی لئے آج تو کل کیا ہوگا

O

کرب بے نام

یہ کڑا درد یہ احساس غم بھی یہ ملال
کیا کہوں اس کا کوئی نام نہیں ملتا ہے
ہجر میں بھی ترے تسکین رہا کرتی تھی
تجھ سے مل کر بھی اب آرام نہیں ملتا ہے

O

○

غمِ حیات کی تفصیل کے سوا نہ کہا
کسی سے ہم نے محبت کا ماجرا نہ کہا

رہِ حیات میں اچھے ملے برے بھی ملے
زباں سے ہم نے کسی کو مگر برا نہ کہا

بس اس خطا پہ خفا مجھ سے شیخ صاحب ہیں
کہ شیخ کی ان کی خرافات مرحبا نہ کہا

زباں سے ان کے مقابل تو خیر کیا کہتے
نگاہ سے بھی کبھی ہم نے مدّعا نہ کہا

تمہاری شان میں کیا کچھ نہ ہم نے عرض کیا
اب اپنا حال رہا اس کا کیا کہا نہ کہا

ڈرے ہوئے تھے بہت ظالموں سے ہم صابر
رہے خموش مگر ظلم کو بجا نہ کہا

قطعہ

ظلم سہہ کر میں رہ گیا خاموش
تم یہ سمجھے کہ ظلم جیت گیا
مجھ کو دیکھو میں اب بھی زندہ ہوں
ظلم کا دور کب کا بیت گیا

○

گھڑی اک ایسی بھی غم کے نثار گزری ہے
جب ان کی چشم عنایت بھی بار گزری ہے

مرا ادب کہ میں گلچیں نہیں بنا ورنہ
بہت قریب سے میرے بہار گزری ہے

تڑپ تڑپ کے امیدِ جواں کا دم نکلا
ٹھہر ٹھہر کے شبِ انتظار گزری ہے

○

عمر بھر کو اک چمن کافی ہے بلبل کیلئے
برق کو ہر روز اک تازہ گلستاں چاہیئے

○

آج بے نظریں اٹھائے عشق گزرا پاس سے
حسن کی خود اعتمادی کو بڑا دھکا لگا

○

ہیں اضطراب زدہ آہوئے ختن کی طرح
وطن میں رہتے ہیں کچھ لوگ بے وطن کیطرح

اُٹھا کے پردۂ افلاس دیکھیے اسکو
یہ کال گرل بھی ہے پاکباز زن کی طرح

ہے چاندنی بھی مرے حالِ دل کا آئینہ
کبھی ہنسی کی طرح ہے کبھی کفن کی طرح

وطن میں عصمتِ انصاف کی وہ دُرگت ہے
کہ بک رہی ہے کسی بے حجاب زن کیطرح

یہ آبشار یہ اشجار یہ چرند و پرند
ہوں میں اکیلا تو ہیں ایک انجمن کی طرح

تری حسین و دل آویز و نیلگوں آنکھیں
ہیں پاک وصاف شرد رات کے گگن کیطرح

خیال یہ ہے کہ تو اس طرف سے گزرا ہے
مہک رہی ہیں فضائیں ترے بدن کی طرح

غمِ فراق میں صبا ہر کسی کے لطف کی یاد
ہمیشہ ساتھ رہی لذتِ سخن کی طرح

○

یہ شوخ دل جو ذرا سا دکھائی دیتا ہے
بڑھے تو حاصلِ دنیا دکھائی دیتا ہے

عجیب رنگ کی محفل سماج ہے جس میں
ہر اہلِ بزم اکیلا دکھائی دیتا ہے

یہ تشنگی یہ کڑی دھوپ یہ تپش لیکن
تصورات میں دریا دکھائی دیتا ہے

یہ آئینہ بھی اُڑاتا ہے اب ہنسی میری
کہ اس میں بھی ترا چہرہ دکھائی دیتا ہے

تم آ گئے ہو بہت خوش ہوا اُس سے ہو
تمام شب مجھے کیا کیا دکھائی دیتا ہے

یہ کون شخص ہے میں خود ہوں یا خیال ترا
یہ ایک سایہ جو ہر جا دکھائی دیتا ہے

وہی بجھا ہوا چہرہ وہی اداس آنکھیں
ہر ایک شخص ہی مجھ سا دکھائی دیتا ہے

یہ آدمی بھی ہے تصویر بے رنگ و روغن کی
جو صرف دور سے اچھا دکھائی دیتا ہے

اُتارو چشمہ ذرا مذہبی تعصب کا
بتاؤ اب تمھیں کیسا دکھائی دیتا ہے

قوی ترین وہی آدمی ہے اے صابر
جو اپنی جہد میں تنہا دکھائی دیتا ہے

○

کس کے حضور جا کے دعا کیجیے جناب
اب پھر تلاش کوئی خدا کیجیے جناب

بس جائے گی مزاج میں خوشبوِ وفا کی خود
مجھ سے نہیں کسی سے وفا کیجیے جناب

یہ سچ ہے خود غرض ہیں سبھی آدمی مگر
کچھ دوسروں کا حق بھی ادا کیجیے جناب

آگاہ بے وفائی احباب میں سبھی ہوں
لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کیجیے جناب

کل بوجھ دوسروں ہی پہ رکھنا نہیں درست
اپنی خطاؤں کو بھی گنا کیجیے جناب

کوشش یہ کیجیے کہ لڑائی کبھی نہ ہو!
ہو جائے تو معاف کیا کیجیے جناب

جنسی معاملات نہیں شاعری کے اہل
کوئی حسین فکر کیا کیجیے جناب

صابر یونہی بڑھی جو گرانی تو ہوگا کیا
اس پر بھی چند شعر کہا کیجیے جناب

○

اپنی راحت پہ تو ہر وقت نظر ہے یارو
غم کے ماروں کی بھی کچھ تم کو خبر ہے یارو

چاند تاروں کے لئے روتے رہو گے کب تک
آنکھ تو کھولو ذرا وقتِ سحر ہے یارو

روحِ فنکار میں پیدا ہو جو احساسِ خلوص
اب بھی دنیا میں بڑی قدرِ ہنر ہے یارو

ایسا کچھ کیوں نہیں کرتے کہ یہ منزل بن جائے
زندگی یوں تو فقط راہ گزر ہے یارو

ہو رہے ہو جو فنا جنگ میں یہ بھی سوچو
ابنِ آدم کا زیاں کس کا ضرر ہے یارو

کر کے بحث اس پہ خدارا اسے رسوا نہ کرو
عشق بیچارہ بھی کیا کوئی ہنر ہے یارو

کون صابر کی حقیقت سے نہیں ہے واقف
رندِ آزادہ و کم آمیز بشر ہے یارو

○

وہ سادہ دل جو دلوں کی خبر نہیں رکھتے
شکستِ دل کی صدا کو ہنسی سمجھتے ہیں

انھیں کو شعر سنانا ہے شعر کی توہین
جو شاعری کو فقط شاعری سمجھتے ہیں

○

○

حق پرستوں کے جو ہیں نیزوں پہ بسر کیا کیجیے
اس شجر کا ہے یہی تلخ ثمر کیا کیجیے

شر نے سو طرح کے رستے ہیں بچھائے کانٹے
زندگی پھر بھی ہے سرگرمِ سفر کیا کیجیے

قابلِ دید ہے خوددار غریبوں کا خلوص
اہلِ دولت کی نمایش پہ نظر کیا کیجیے

بے قراری نہ تغیر نہ مراحل نہ جنوں
زندگی صرفِ سکوں ہو تو بسر کیا کیجیے

عشق ناکام و ہوس شاد ہے کیوں دنیا میں
ہم اسے خوب سمجھتے ہیں مگر کیا کیجیے

وہ بھی دراصل اندھیروں کے ہیں حامیِ صنا
جو یہ کہتے ہیں کہ امیدِ سحر کیا کیجیے

○

وعدے ہیں ان کے وعدۂ سرکار کی طرح
بھرتے ہیں پیٹ لفظوں سے اخبار کی طرح

پسلی مری خدا نے نکالی تھی جو کبھی
اب مجھ سے روز لڑتی ہے تلوار کی طرح

وہ سادگی، وہ حسن، وہ معصومیت، وہ کیف
آنکھیں ہیں ان کی میر کے اشعار کی طرح

گل ہیں نہ سبزہ زار نہ صوتِ ہزار ہے
بس فرض کر لیا ہے کہ فصلِ بہار ہے

خوب کیا دل توڑ کے تم نے
تھی کبھی بڑی امید وفا کی

آشیانے کی فکر ہے ورنہ
برق بھی خوش جمال ہوتی ہے

آپ گو عیش میں جاگے ہیں مگر جاگے ہیں
اپنی حالت سے مرے حال کا اندازہ کریں

اب نہ ہمارے آگے چھیڑو سکھ اور دکھ کی بات
دن میں تھوڑی دیر ہنسے تھے روئے ساری رات

امبر ننگا، دھرتی پیاسی، پیلے پیلے پات
میری آنکھوں نے دیکھی ہے ایسی بھی برسات

دیکھ کے ان کا رنگِ محفل لوٹ آئے چپ چاپ
کرنے بھینٹ گئے تھے ان کو ہم دل کی سوغات

ہیں تو آنکھوں والے لیکن اس دنیا کے لوگ
موقع ہو تو کہہ دیتے ہیں دن کو کالی رات

گھبرا کر کہہ ڈالا ہم نے ان سے دل کا حال
آج محبت نے اے صابرؔ کھائی پہلی مات

قطعہ

ادا کرو مرے ہمراہ تم بھی شکر خدا
پھر اسکے بعد مجھے یہ خوشی ملے نہ ملے

ذرا قریب تو آؤ میں تم کو دیکھ تو لوں
کسے خبر کہ دوبارہ کبھی ملے نہ ملے

قطعہ

سخت دل شادماں ہے جس شے سے
دلِ حسّاس اسی سے جلتا ہے

جسکے جذبات جتنے نازک ہیں
اس کو اتنا ہی رنج ملتا ہے

ہم ان سے چھوٹ کے غمِ زیست اٹھائے جاتے ہیں
گرے نہیں ہیں مگر ڈگمگائے جاتے ہیں

یہ سادہ لوح بڑا رحم ان پہ آتا ہے
شہید ہونے کبھی جو ستائے جاتے ہیں

ہمیں بھی مل ہی رہا ہے صلہ محبت کا
صلیب دوش پہ اپنے اٹھائے جاتے ہیں

جو دل کا حال سنیں گے تو آپ رو دینگے
ہم انجمن میں تو سب کو ہنسائے جاتے ہیں

نہ جام ہے نہ مقابل مرے سبو ہے آج
غمِ حیات کی ہر شکل روبرو ہے آج

نہیں ہے شرط عداوت کی دوستی کے لئے
مگر جو دوست تھا کل تک وہی عدو ہے آج

یہ ایک بات کہ صابر شراب پیتا ہے
تمام شہر میں موضوعِ گفتگو ہے آج

موت ہر چند چلی تیغ ہلاکو کی طرح
زندگی پھیلی مگر نکہتِ گیسو کی طرح

کاروبار اہلِ محبت کا جنوں کے ہاتھوں
اب بھی چلتا ہے ترے حسن کے جادو کی طرح

میرا اک لمحہ وطن میں نہ سکوں سے گزرا
مضطرب پھرتا رہا دشت میں آہو کی طرح

میں نے دیکھا ہے زمانے کو بدلتے کروٹ
شبِ تاریک میں بیمار کے پہلو کی طرح

تھے معزز کبھی فندانِ غزل بھی صابرؔ
آج رسوا ہی سہی ملک میں اردو کی طرح

۶

○

دراصل وہ نقّال ہے فنکار نہیں ہے
جو اپنی غریبی میں بھی خود دار نہیں ہے

دکھ درد کی ماری ہوئی مخلوق کا چارہ
زیتون کی اک شاخ ہے تلوار نہیں ہے

ایسے بھی ہیں عصمت کے یہاں بیچنے والے
جنکا کوئی دنیا میں خریدار نہیں ہے

○

○

پڑا ہے عقل و خرد پر جنوں کا پردۂ نور
خوشی کا ہوش ہے مجھ کو نہ غم کا تیرے حضور

خودی کے خبط میں سمجھے نہ ہم مزاجِ حسن
کبھی بتایا ستمگر کبھی کہا مغرور

خدا تو دونوں بنے تھے مگر ہے فرق بڑا
خدا کے واسطے نمرود کو نہ کہہ منصور

تھے واقعاتِ محبت تو ایک ہی لیکن
میں اُن سے ہو گیا بدنام اور تو مشہور

ترے کرم کے سہارے ہی تجھ سے لڑتے ہیں
غضب ہے اس کو اگر تو سمجھ رہا ہے غرور

نگاہ حسن نے تاکید لاکھ فرمائی
مگر نہ عشق کو آنا تھا اور نہ آیا شعور

نظامِ بزمِ جہاں انتشارِ بزمِ جہاں
نگاہِ اہلِ جنوں میں نہیں ہے کیا مستور

وہ بے وفا ہوں تو ہم انتقام لیں ان سے
ہم اہلِ عشق کا صابر نہیں ہے یہ دستور

○

ہے یہ محبت پر بیداد
کر نہ اسیروں کو آزاد

پھول میں جیسے ہو خوشبو
دل میں بسی ہے تیری یاد

دیوانہ کرتا ہے رقص
زنجیریں دیتی ہیں داد

آنکھیں خشک اور لب خاموش
یوں بھی ہوتی ہے فریاد

خود ہی بڑھ کر قتل ہوئے
اہلِ محبت زندہ باد

صابر وہ اور فکرِ وفا
ہائے زمانے کی بے داد

ساری کشش کھو بیٹھے بادہ
ہو نہ اگر پینے کا ارادہ

دوست ہے میرا اور نہ دشمن
کوئی جہاں میں ستم سے زیادہ

مجھ کو سکھایا سب کچھ لیکن
حسن رہا سادہ کا سادہ

رنگ بدلتی ہے قسمت بھی
ترک نہ کر اے دوست ارادہ

میرا تصور کتنا رنگیں!
ان کی حقیقت کتنی سادہ

قطعہ

دامنِ عشق مل گیا جسکو
وہ بڑا صاحبِ مقدر ہے
آپ کیا عشق کو چلائینگے
عشق خود زندگی کا رہبر ہے

○

ہے پیاس بہت وسعتِ صحرا بھی بہت ہے
اس وقت جو مل جائے تو قطرہ بھی بہت ہے

جینے کی تمنّا بھی ہے پوشیدہ اسی میں
لوگوں کو غمِ زیست کا شکوہ بھی بہت ہے

حق کہنے پہ کیوں شیخ نہ دیں دار کا فتویٰ
حضرت نے مری بات کو سمجھا بھی بہت ہے

ہوتی ہے ملاقات سرِ دار ہی جس سے
اُس حسن کی دنیا میں تمنا بھی بہت ہے

اربابِ ہوس خون تو کیا نذر کریں گے
ان لوگوں کے ماتھے کا پسینہ بھی بہت ہے

ہر سو تری صورت ہے تو کیا اس میں تعجب
میں نے تری تصویر کو دیکھا بھی بہت ہے

کچھ زیست بھی دشوار ہے اس دور میں صابر
کچھ آپ کو جینے کا سلیقہ بھی بہت ہے

دنیا میں پیغمبروں کی تو کوئی کمی نہیں
لیکن اب ان کو کون بنائے بت حسیں

ہر چیز خوبصورت و آساں کہاں سے آئے
یہ زندگی ہے کوئی سنیما کا شو نہیں

زندہ نکل تو آیا ہے کوچے سے مکر کے
لیکن لہو لہان ہے اخلاص کی جبیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ کریں کب یہ اپنا کام
سانپوں سے بھر گئی ہے مروت کی آستیں

مظلوم شخصیت کا بھی ہوتا ہے اک وقار
اب آسماں سے بات بھی کرتی نہیں زمیں

ہر چند ہم نے چاہا کہ دنیا آدمی بنے
آخر ہمیں کو ہونا پڑا بے نیاز دیں

آیا خدا زمیں پہ بشر بن کے بار بار
لیکن جھکی نہ اس کے مقابل کوئی جبیں

کچھ دیر میرے پاس وہ رُک کر چلے گئے
لیکن وہ چند گھڑیاں کئی سال بن گئیں

صابرؔ کہیں جہاں میں ٹھکانہ نہیں مرا
اہلِ خرد کے شہر میں ہو جس طرح یقیں

O

دلِ حسّاس صلیبوں کا مقدر نکلا
پھینک کر مارا ہوا پھول بھی پتھر نکلا

بند رہنے دو کہے جاؤ کہ گوہر نکلا
سخت جھینپو گے اگر سیپ میں کنکر نکلا

ہو کے ساقی سے خفا شیخ کو رندوں نے چُنا
اب یہ روتے ہیں کہ وہ اُس سے بھی بدتر نکلا

نام رکھا تھا ببول اہلِ چمن نے جس کا
گر گیا خاک پہ کٹ کر تو صنوبر نکلا

میں جسے پیار میں کہتا تھا بھلکڑ بھیّا
دوسرے لوگوں سے پوچھا تو پیمبر نکلا

محفلِ شعر میں بیٹھا تھا جو خاموش و ملول
بات کی میں نے جو اس سے تو سخنور نکلا

میں جسے ڈھونڈتا پھرتا تھا جہاں میں صابر
سخت حیرت ہے کہ وہ میرے ہی اندر نکلا

یہ غزل ۱۹[illegible]ء میں کہی گئی

○

گلزارِ رخِ یار کا جلوہ سا لگے ہے
پتی کسی انگلی کا اشارہ سا لگے ہے

اے پیاس یقیں مجھ کو کرامت کا ہے تیری
یہ ریت کا میدان بھی دریا سا لگے ہے

غم ہمدمِ دیرینہ مرا ہو گیا اتنا
ارمان خوشی کا مجھے بیجا سا لگے ہے

جس دن سے کچھ احساس ہوا ہے مجھے تیرا
یہ عالمِ صد رنگ تماشا سا لگے ہے

دنیا کے مصائب میں ترا غم ہے عجب چیز
گو غم ہے مگر ایک سہارا سا لگے ہے

اشعار میں تم ڈھونڈ رہے ہو مجھے لیکن
ان میں تو مرا درد بھی اچھا سا لگے ہے

عریاں کیا بازار میں سائنس نے فن کو
مشہور بھی اس دور میں رسوا سا لگے ہے

صابر کبھی ہنگام سحر حسن شفق دیکھ
اس دامن رنگیں پہ کشیدہ سا لگے ہے

نذرِ غالب

ظلم زندہ ہے اندھیرے میں بسر ہونے تک
شمع کی شعلہ مزاجی ہے سحر ہونے تک

خودکشی دیکھ نہ بن جائے غمِ آزادی
سر بھی باقی رہے دیوار میں در ہونے تک

دیکھنے والے نہ تحقیرِ صدف کر کہ گہر
اسی آغوش میں پلتا ہے گہر ہونے تک

دیکھنا ہے ہمیں انجامِ جفائے شبِ تار
زندہ رہنا ہے بہر حال سحر ہونے تک

زیست پائی کرمِ خاص ہوا جب ان کا
زیست باقی ہے کرم بارِ دگر ہونے تک

کتنا دیکھوں کہ مری آنکھوں کی نیت بھر جائے
ہجر سے پہلے ترا وقتِ سفر ہونے تک

عشق کی رسم تو زندہ ہی رہے گی صابر
ہم اگر مر بھی گئے زلف کے سر ہونے تک

آج جو کچھ بھی ہے کل نہ ہوگا یہاں جادو تے وقت ہر شے پہ چل جائے گا
راحتیں غم میں تبدیل ہو جائیں گی اہلِ غم کا زمانہ بدل جائے گا

جام ٹوٹے ہوئے رند روٹھے ہوئے نظم زیر و زبر اور تو بے خبر
ساقیٔ میکدہ سوچ یہ بھی ذرا کتنے دن یہ نظام اور چل جائے گا

جھوٹ میں شور ہوتا ہے قوت نہیں ڈرنے والو یہ خطرہ حقیقت نہیں
حق سے کون آج تک لڑ کے زندہ رہا ظلم ظالم کو خود ہی نگل جائے گا

یہ نظام آہنی ہے تو پروا نہیں اپنے سوزِ بغاوت کو بجھنے نہ دو
فطرتِ آہن و ظلم ہے ایک سی سُرخ ہوگا زیادہ تو گل جائے گا

تیرے ہوتے ہوئے رند ہیں تشنہ لب تجھکو ساقی کا کس نے دیا ہے لقب
تو نہ بدلا تو یہ بھی رہے ذہن میں میکشوں کا ارادہ بدل جائے گا

تم نے میری محبت کو ٹھکرا دیا اب کرو رحم مجھ کو سہارا نہ دو
ورنہ پھر درد بیدار ہو جائے گا ورنہ مایوس دل پھر سنبھل جائے گا

جلد آؤ وقت کے تیز تر ہیں قدم ہر حسیں چیز کی عمر ہوتی ہے کم
عشق سو جائے گا حسن کھو جائے گا میں بدل جاؤں گا تو بدل جائے گا

جذبِ سوزِ نہانی کے پارے ہیں یہ انکو پانی نہ سمجھو شرارے ہیں یہ
اشکِ مظلوم صابر جو بہتے رہے دامنِ ہر جفا کار جل جائے گا

○

قطعہ

نامرادی ہے ظلم کی تقدیر
ظلم کا سکّہ چل نہیں سکتا

ظلم کا پیڑ بڑھ تو سکتا ہے
ظلم کا پیڑ پھل نہیں سکتا

○

ہے عہدِ نو نے پیمبر بشکلِ دیوانہ
لرز رہا ہے قدامت کا آئینہ خانہ

بجائے دستِ کرم دیکھتے ہیں پیمانہ
بہوش باش دگرگوں ہے طورِ میخانہ

فقط وداعِ غلامی نہیں ہے آزادی
جو ہو سکے تو مٹا فطرتِ غلامانہ

جلا کے شمع سے کہہ دو کہ مطمئن نہ رہے
کہ اب اڑے گا ہواؤں میں رازِ پروانہ

ترے نثار تجھے کیوں گراں گزرتا ہے
بچھڑ کے تجھ سے اگر جی رہا ہے دیوانہ

تمام عمر گزاری ہے شمع نے جل کر
ذرا سنبھل کے کہے اپنی بات پروانہ

بشر سمجھ ہی گیا آخر آدمی کا مقام
لرز رہا ہے حرم کانپتا ہے بت خانہ

دیا جو نیچی نگاہوں سے حکم خاموشی
لرز کے رہ گیا پلکوں پہ دل کا افسانہ

تمھیں خموش رہے خیر پوچھتے بھی اگر
یقیں یہ ہے کہ بتاتا نہ حال دیوانہ

خراب حالیٔ انساں کا غم نہ کر صابرؔ
ہزار بار اجڑ کر بسا یہ کاشانہ

غرقِ خوں راہِ وفا کا کوئی کانٹا بھی نہیں
کیا مرے بعد ادھر سے کوئی گزرا بھی نہیں

میری مستی کی ہنسی اب نہ اُڑانا ہرگز
تم نے دیکھا کہ مرے جام میں صہبا بھی نہیں

اُن پہ گستاخ نگاہی کا ہے الزام بھی خوب
جن غریبوں نے کبھی آپ کو دیکھا بھی نہیں

غمِ الفت کا سہارا جو نہ حاصل ہوتا
دلِ انساں سے غمِ زیست سنبھلتا بھی نہیں

یہ محبت کی کمی ہے کہ فراوانی ہے
اب تو دل پہلے کی مانند تڑپتا بھی نہیں

ہم غریبوں کو وفاؤں کا تو رہتا ہے خیال
اہلِ دولت کی محبت میں تو اتنا بھی نہیں

ظلم سہہ لونگا تغافل نہ سہا جائے گا
آج محفل سے مجھے تم نے اٹھایا بھی نہیں

آدمی خود ہی بڑھاتا رہا بارِ تہذیب
اور اب اس سے وہی بوجھ سنبھلتا بھی نہیں

جو کچھ اللہ نے بخشا ہے بہت ہے صابرؔ
مجھ کو قسمت سے کسی بات کا شکوا بھی نہیں

○

محرومی کی تکلیف نہیں وہ آگ نہیں وہ پیاس نہیں
یہ کون سی منزل غم ہے جہاں غم کا بھی مجھے احساس نہیں

جو کہنا ہے وہ کہنے کو الفاظ نہیں ہیں پاس مرے
بے بولے ہوئے دکھ دیکھ لے جو وہ آنکھ تمہارے پاس نہیں

○

○

باقی نہیں انساں کا بہروپ کوئی نہیں
دنیا سے فقیری بھی گئی کج کلہی بھی

چھایا ہے ہر اک سمت گھٹا ٹوپ اندھیرا
کام آتی نہیں ایسے میں کچھ دیدہ وری بھی

ہنسنے کو تو فرہاد پہ ہنس لیجئے لیکن
ہر شخص سے ہو سکتی نہیں کوہ کنی بھی

رُودادِ الم تم کو سناتے ہیں کہ ڈر ہے
فریاد نہ کہلائے کہیں بے سخنی بھی

آلام سے جینے کے بچاتے تو ہو دامن
دیکھو کہیں چھن جائے نہ جینے کی خوشی بھی

اشعار و مہ و گل سے کبھی جی نہیں بھرتا
رودادِ محبت ہے پرانی بھی نئی بھی

خود چھیڑ کے ہوتا ہے خفا زاہدِ خود بیں
رِندوں کی کوئی بات کبھی تو نے سُنی بھی

مرہم دلِ مجروح پہ پھر کون لگائے
مذہب ہی اگر کرنے لگے تیغ زنی بھی

امیدِ سحر مستحقِ داد ہے صابر
ہونے کو حقیقت تو ہے یہ تیرہ شبی بھی

O

اپنی دھن میں ہر انساں بزم میں بھی تنہا ہے
یہ عجیب محفل ہے یہ عجیب دنیا ہے

التفاتِ گلچیں سے قلبِ گل میں لرزا ہے
بوالہوس نگاہوں کا پیار بھی ڈراتا ہے

پائی دل نے آزادی عشق کی اسیری میں
خودغرض کی دنیا ہی اس کا قیدخانہ ہے

ترک کر چکا تھا میں سجدہ ہر طریقے کا
تیرے پائے رنگیں نے کفر سے بچایا ہے

جس نے ان کو چاہا ہے اس سے پوچھئے انکو
دیکھ کر تو ہر انساں بس حسیں سمجھتا ہے

زیست کا سلیقہ بھی موت کا طریقہ بھی
عشق کو خدا رکھے عشق نے سکھایا ہے

دیکھ تجھ پہ ہنستی ہے موت منعم ناداں
تو مری غریبی کا کیا مذاق اڑاتا ہے

روئیے کہاں جا کر کس سے کیجئے شکوہ
زندگی کا ہر جھگڑا زندگی نے پالا ہے

ذہن میں موت آتی ہے جب کسی مجاہد کو
زندگی کے چہرے کا حسن جگمگاتا ہے

آج عشق ساقی کا امتحان ہے صابر
آج بزم ساقی میں جام ہے نہ مینا ہے

اُس کے سوا کون اُس کو جانے
جتنے منہ اتنے افسانے

شمع کے دل کا سوز نہ سمجھے
جلنے کی دھن میں پروانے

کارِ جنوں چلتا رہتا ہے
بنتے رہتے ہیں افسانے

کتنا سچا کتنے جھوٹے
میرا یقین اور تیرے بہانے

خوب لپٹ کر رویا واعظ
آیا تھا مجھ کو سمجھانے

ہوتے ہیں بیگانوں سے بدتر
بنتے ہیں جب اپنے بیگانے

دہر میں سبھی ہے نفسی نفسی
کون کسی کا دکھ سکھ جانے

کیف نہ پوچھو ان آنکھوں کا
چھلکے پڑتے ہیں پیمانے

تو نہ سہی غم تیرا سلامت
جینے کے ہیں لاکھ بہانے

صابر وہ اور بار محبت
ان کے نازک نازک شانے

○

لگائے پھرتا ہے دل سے غمِ آسودگی ابتک
مزاجِ بزمِ ہستی کو نہ سمجھا آدمی اب تک

حفاظت کی ہے دنیا سے تمھارے درد کی ابتک
کسی ساغر سے شرمندہ نہیں یہ تشنگی اب تک

شکستوں پر شکستیں کھا کے بھی مجبورِ فطرت ہوں
فریبِ ہر تمنا کھا رہی ہے زندگی اب تک

نجوم و ماہ سے حسنِ چمن سے شعر و نغمہ سے
نہیں پوری ہوئی اے دوست اک تیری کمی ابتک

خزاں کے بعد آتی ہے ہمیشہ فصلِ گل لیکن
نہیں آئی پلٹ کر میرے ہونٹوں کی ہنسی ابتک

ابھی تک خارزاروں کو چمن بننے کا ارماں ہے
تلاشِ منظرِ کامل میں ہے دیوانگی اب تک

کسے فرصت ہے صابر عقدہ ہائے بعدِ مردن کی
نہیں حل کر سکا میں عقدہ ہائے زندگی اب تک

○

تم آخر تم ہم آخر ہم
شعلہ شعلہ شبنم شبنم

اُن کا عالم میرا عالم
حسن سراپا درد مجسم

غنچے خنداں گریاں شبنم
کون سمجھتا ہے کس کا غم

ننگِ دو عالم فخرِ دو عالم
ابن آدم ابنِ آدم

چھپ کر رونا بن کر ہنسنا
وہ بھی ترا غم یہ بھی ترا غم

چوم رہی ہیں کرنیں لیکن
کانپ رہا ہے قطرۂ شبنم

جسکی قیمت ترکِ خودی ہو
ایسی خوشی سے بہتر ہے غم

اُن کے تقاضے اللہ اللہ
دل کی ہمت ہر لمحہ کم

کیسے عمر گزرتی صابر
ساتھ مرا دیتا نہ اگر غم

○

قطعہ

صرف جذبات کچھ نہیں ہوتے
دل کی ہر بات رنگ صورت ہے

کامیابی سے عشق کرنے کو
عقل کی بھی بڑی ضرورت ہے

○

○

غم سے خالی کوئی حیات نہیں
غم کو بھی تو مگر ثبات نہیں

دردِ دل کی مرے دوا کرنا
اب تمہارے بھی بس کی بات نہیں

فرصتِ راحت و نشاط کہاں
زندگی دن ہی دن ہے رات نہیں

ان کی اک چھیڑ ہے غریبوں سے
اور کچھ معنئ حیات نہیں

مدتوں سے کوئی ستم نہ ہوا
اب وہ پہلا سا التفات نہیں

حسن کا حال آپ ہی جانیں
ہاں مرا عشق بے ثبات نہیں

مجھ سے رنجش ہے بے سبب اُن کو
بات یہ ہے کہ کوئی بات نہیں

کیا کہیں حالِ زندگی جابر
جی رہے ہیں مگر حیات نہیں

○

ایک شام

گاؤں سے کچھ دور اک ٹیلے پہ بیٹھا ہوں اداس
سُرخ ہے مغرب فضا کے رُخ پہ ہے گردِ ملال

اُٹھ رہا ہے جھونپڑوں سے ہلکا ہلکا سا دھواں
ہو کسی کے دل میں جیسے شامِ فرقت کا خیال

○

○

رو نہ الم کی آگ میں جل کے
آئی ہے رحمت بھیس بدل کے

اب نہ اٹھاؤ اپنے در سے
آئے ہیں کانٹوں پر چل کے

چہرہ ہے یا چاند گگن کا
آنکھیں ہیں یا پھول کنول کے

پلٹی ہے نہ کبھی پلٹے گی
شبنم اور جوانی ڈھل کے

کھا ہی جاتے ہیں ہم ٹھوکر
چلتے ہیں ہر چند سنبھل کے

آنکھوں میں آنسو باعصمت ہیں
ہوتے ہیں بدنام نکل کے

کچھ تو آخر پانے ہی ہیں
پروانے بھی آگ میں جل کے

معنیٔ الفت پوچھنے والو!
آگ کو سمجھو آگ میں جل کے

چوٹ کہیں پھر کھائی صابر
کہتے ہیں انداز غزل کے

○

ہر دم آنسو ہر دم آہیں
کب تک اس صورت سے نباہیں

پلٹ آئی ہیں ڈھونڈ کے تجھ کو
ہر جانب مایوس نگاہیں

توڑ چکا ہوں سب زنجیریں
ڈال نہ اب گردن میں باہیں

عشق کے نالے محفل محفل
کس نے سنی ہیں حسن کی آہیں

ذرہ ذرہ راز ہے ان کا
ہیں ہر گام پہ سجدہ گاہیں

عشق کی فطرت شعلہ و شبنم
گرم آنسو اور ٹھنڈی آہیں

کرتے ہیں تکمیلِ فسانہ
اُن کا تبسم میری آہیں

سر خم کرنا کُھل جاتا ہے
سجدہ کر لیتی ہیں نگاہیں

کس نے طے کیں صابرؔ اب تک
عشق کی اُلٹی سیدھی راہیں

○

میکدے میں غم و آلام تک آ پہنچے ہیں
اشک آنکھوں سے مرے جام تک آ پہنچے ہیں

ان سے کہدو کہ ذرا ہٹ کے نصیحت فرمائیں
شیخ جی بڑھتے ہوئے جام تک آ پہنچے ہیں

آج تک میں جھجیں لایا نہ زباں پر اپنی
آپ کے نام وہ الزام تک پہنچے ہیں

تجھ سے صیاد شکایت ہی ہمیں کیا ہوگی
ہم تو خود بڑھ کے ترے دام تک آ پہنچے ہیں

اب ہے یہ فکر کہ تا صبح جئیں گے کیوں کر
صبح سے روتے ہوئے شام تک آ پہنچے ہیں

خیر مقدم بھی مرا دشت نوردی میں ہوا
خار خود اُڑ کے مرے گام تک آ پہنچے ہیں

دیر و کعبہ کی ہوا دیکھ کے ہم اے ساقی
پھر ترے کوچہ بدنام تک آ پہنچے ہیں

ختم اردو کی وکالت کرو صابر کچھ لوگ
بحث کرتے ہوئے دشنام تک آ پہنچے ہیں

○

قطعہ

خواب غفلت میں مدتوں رہ کر
روح کو ہوشیار کرتے ہیں

حسن کو پیار کر چکے صابر
اب محبت کو پیار کرتے ہیں

○

(۱)

عیش غیروں کے لئے رنج ہے یاروں کے لئے
عقل بھی چاہیے کچھ ان کے اشاروں کے لئے

آپ اظہارِ وفا کر کے بڑھا ئیں نہ جنوں
زیست ہے یوں بھی کٹھن عشق کے ماروں کے لئے

اے صبا جا نا قفس سے تو چمن سے کہنا
ہم نے بھی بوسے بنگا ہوں سے بہاروں کے لئے

یہ سیاست کے خم و پیچ مذاہب کے فریب
بن گئے موت کا پیغام ہزاروں کے لئے

عین ساحل کے قریب آ کے سفینہ ڈوبا
دعوتِ فکر و عمل ہے یہ کناروں کے لئے

بوالہوس سنگِ درِ یار کا سودا کر لیا
چھوڑ دیں تھوڑی جگہ سجدہ گزاروں کے لئے

چشمِ بینا ہی تو کافی نہیں ہوتی صابر
شرطِ تہذیبِ نظر بھی ہے نظاروں کے لئے

کی خوب ترقی نے انسان کی رسوائی
تہذیب کے پردے میں ابلیس کی بن آئی

صدقے میں محبت کے ہر شے پہ بہار آئی
پھولوں کو ملی خوشبو تاروں نے ضیا پائی

اس مرتبہ ملتا ہے کس کس کو قفس دیکھیں
پھر اہلِ چمن میں ہے ذوقِ چمن آرائی

گرتی ہیں نشیمن کی چنگاریاں گلشن پر
ہم اہلِ وفا کو تو بجلی بھی نہ راس آئی

اے شیخ عبادت کو لازم ہے گدازِ دل
بے عشق نہیں آتی تہذیبِ جبیں سائی

راحت ہے وہ غم جس میں ہو یاد تری ممکن
محفل سے زیادہ خوش اب ہے مری تنہائی

اُس بزم سے چھٹ کر تو دنیا تھی نہ عقبیٰ تھی
صد شکر ہمیں صابرؔ راس آ گئی تنہائی

o

غم سمجھنے سے عار نہیں ہے
عشق مگر نا چار نہیں ہے

خوئے وفا اظہار نہیں ہے
نغمہ ہے جھنکار نہیں ہے

جانتے ہو کیوں شیخ ہے رسوا
باتیں ہیں کردار نہیں ہے

اہل ہوس موجود نہ ہوں کیوں
اُن کی بزم ہے دار نہیں ہے

اپنا غم کہتا ہوں مکرّر
یہ تو کوئی تکرار نہیں ہے

قربانی تو فرض تھا تیرا
لوٹ کا تو حقدار نہیں ہے

رشک کے سب دھوکے ہیں ورنہ
تجھ کو کسی سے پیار نہیں ہے

حسن تو بکتا بھی ہے لیکن
عشق سر بازار نہیں ہے

لاکھوں غم ہیں اور دل صابر
عشق ہی اک آزار نہیں ہے

چمن میں صبر بلبل یوں نمایاں ہوتا جاتا ہے
کہ گل تو ہیں مگر گلزار ویراں ہوتا جاتا ہے

زمانہ پردۂ وحشت میں عریاں ہوتا جاتا ہے
بہت بدنام اب چاکِ گریباں ہوتا جاتا ہے

نکلنے کو ہیں کچھ بیتاب کچھ کھلنے کو ہیں غنچے
مگر جو کھلتا جاتا ہے پشیماں ہوتا جاتا ہے

خدا توفیق دے مجھ کو کہ خود کو بھول جاؤں میں
مجھے احساسِ حسنِ فتنہ ساماں ہوتا جاتا ہے

اگر وہ بے وفا نکلا تو اسمیں کیا خطا میری
مرا دل کیوں وفا پر میری خنداں ہوتا جاتا ہے

تصدق بے نیازی کے گوارا ہے تجھے کیونکر
کہ میرے حال پر غیروں کا احساں ہوتا جاتا ہے

یہ چرچے ہیں بہار آئی سمجھ میں کچھ نہیں آتا
قفس کا نام ہی شاید گلستاں ہوتا جاتا ہے

کرے گا رہنمائی خون دیوانوں کے تلووں کا
نشانِ راہ ہر خارِ مغیلاں ہوتا جاتا ہے

نشیمن پھونکنے والوں کو صابرؔ کیا خبر اسکی
کہ گل زخمی چمن شعلہ بداماں ہوتا جاتا ہے

○

دل نہ خوش ہے نہ مائل غم ہے
شاید اب زندگی بہت کم ہے

غم میں خوش ہے خوشی میں پُرغم ہے
دل کا عالم عجیب عالم ہے

تیرا میرا مقابلہ ہی کیا!
ایک خورشید ایک شبنم ہے

تجھ سے بچ کر بھلا کہاں جاؤں
ہر طرف تو ہے تیرا عالم ہے

عیش و راحت ہے اسکا ہی حصّہ
جو شناسائے "تلخیٔ" غم ہے

اک تمھیں ہو جدا نگاہوں سے
ورنہ موجود سارا عالم ہے

جس کو کہتی ہے برہمی دنیا
اصل میں وہ نظامِ عالم ہے

جس پہ نازاں ہے شانِ رحمت بھی
وہ گناہِ عظیمِ آدم ہے

دل سے مٹ جائے جب خوشی صابر
زندگی کی خوشی بھی ماتم ہے

۹

عشق کی جان ہے بلا کے لئے
حسن مجبور ہے جفا کے لئے

آہ احساس نامرادی کا
ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لئے

کیا کسی غیر پر جفا کی ہے
تم پشیماں نہ ہو خدا کے لئے

شورشِ دہر میں کسے فرصت
عشق کے سازِ بے صدا کے لئے

دشتِ وحشت نے کی مری تعظیم
پاؤں کانٹوں نے آپ آ کے لئے

مجھکو اور ترکِ عشق کا ارماں
ایسی باتیں نہ کر خدا کے لئے

حاصلِ عمر کچھ نہیں صابر
جی رہے ہیں فقط قضا کے لئے

○

اس سیاست کی جادوگری سے
پھر گیا آدمی آدمی سے

قہقہوں کو بڑی دشمنی ہے
بیکسوں کی بجھی سی ہنسی ہے

ہم سے روٹھے ہو تم خیر روٹھو
ہم بھی روٹھیں گے اب زندگی سے

چھوٹنا غم سے ممکن نہیں ہے
بچ کے جائیں کہاں زندگی سے

چاند گلزار مے شعر و نغمہ
سب ادھورے ہیں تیری کمی سے

میں سمجھا کر بڑھاتا رہا ہوں
تشنگی کو نئی تشنگی سے

پھوٹتی ہیں ترنم کی تانیں
غم کی ماری ہوئی زندگی سے

دیکھتے خود تو کیا حالِ صابرؔ
پوچھتے بھی نہیں وہ کسی سے

○

ایک شعر!

خوب کیا دل توڑ کے تم نے
تھی مجھی بڑی امیدِ وفا کی

○

بڑے ہی مقدر سے پائے گئے ہیں
وہ دل جو بظاہر دکھائے گئے ہیں

وفا کی گئی ظلم ڈھائے گئے ہیں
بہر رنگ ہم آزمائے گئے ہیں

بڑے ہی حسیں گیت ہیں وہ جو اب تک
سنے ہیں کسی نے نہ گائے گئے ہیں

ستم کر کے ہنسنا کچھ آساں نہیں ہے
یہ انداز ان کو سکھائے گئے ہیں

ہمیں خود ہے پاس اپنے ظرف نظر کا
عبث در پہ پردے گرائے گئے ہیں

جھکے جو نہ سر دیر و کعبہ میں ہرگز
محبت کے آگے جھکائے گئے ہیں

مٹی ہے نہ صابر مٹے گی یہ اردو
مظالم کئی بار ڈھائے گئے ہیں

O

یہ بدر جہا ہے بہتر عزمِ خلد سے کہ ہمدم
اسی خاکداں سے پیدا کرے جنت ابنِ آدم

مری بات چھوڑ ظالم تجھے کیا کہے گا عالم
جو کبھی خدا نہ کردہ مرا درد ہو گیا کم

جسے ہو سکی نہ حاصل مئے اطہرِ محبت
اسی بدنصیب کو ہے یہاں فکرِ ساغرِ جم

کبھی تم ہو اور نہیں کچھ کبھی سب ہے تم نہیں بس
یہی زندگی ہے جنت یہی زندگی جہنم

مری آرزو کو شاید ہوئی ہے شکست کامل
نہ ہیں اب لبوں پہ آہیں نہ ہے آنکھ میری پُرنم

یہ سزا ملی ہے مجھ کو مرے جرمِ عاشقی کی
مجھے کر دیا کسی نے غمِ ہر بشر کا محرم

مری زندگی ہے اسی سے مری ہر خوشی ہے اسی سے
ترا درد ہو گیا ہے مری روح میں مجسم

یہی عشق اور ہوس میں بڑا فرق ہے کہ صابرؔ
وہ ہے مالک دو عالم یہ ہے بندۂ دو عالم

○

قطعہ

عجیب شے ہے محبت جسے عطا ہو جائے
غیور و عاجز و خوددار و درد مند و شریف

کمال اگر ہو میسر تو یہ انا الحق ہے
نہ ہو سکے تو کم از کم حیات پاک و لطیف

○

کوئی لفظ دیکھتا ہے کوئی طرز شاعرانہ
یہاں کون ہے جو سمجھے مرے درد کا فسانہ

مری شاعری ہے تجھ سے مری زندگی ہے تجھ سے
ترا ذکر شعر و نغمہ ترا غم ہے شبانہ!

کبھی اِس میں رہ رہا ہوں کبھی اُس میں رہ رہا ہوں
مری زندگی کا مقصد نہ قفس نہ آشیانہ

نہیں نام کو محبت کہیں دیر یا حرم میں
بڑی آبرو رکھے ہے ابھی تک شراب خانہ

مرے محوِ خوابِ غفلت تری نیند کے تصدق
کہیں ختم ہو نہ جائے مری عمر کا فسانہ

ترا لطف اگر نہیں ہے ترا غم رہے سلامت
مری زندگی کو آخر کوئی چاہیے بہانہ

مرا ایک دن بھی صابرؔ کبھی چین سے نہ گزرا
کبھی وہ تھے دور مجھ سے کبھی پاس تھا زمانہ

○

وہ غمِ عشق روح فرسا ہے
جو فقط اک طرف ہی ہوتا ہے

اُس نے پوچھا ہے میں نے سوچا ہے
دل مرا اس سے چاہتا کیا ہے

میں ہوں مجبور اور تو آزاد
میرا تیرا مقابلہ کیا ہے

آبرو تم نے عشق کی رکھ لی
کون ورنہ کسی کا ہوتا ہے

آپ کے وعدۂ کرم کے نثار
مجھ کو معلوم ہے جو ہونا ہے

عشق میں ہے خوشی بھی بے پایاں
درد بھی بے پناہ ہوتا ہے

خوش رہیں وہ کہ خواب میں انکو
آج میں نے اداس دیکھا ہے

شیخ تیری عبادت خود میں
بھیس بدلے ہوئے تمنّا ہے

ایک مدت ہوئی ترا صابرؔ
تیرے دیدار کو ترستا ہے

○

پھونک دے آتشِ گل تو چارہ نہیں
آشیاں بجلیوں سے تو ہارا نہیں

موت کا بھی ہو شاید مداوا کوئی
زندگی کا مگر کوئی چارہ نہیں

جس کے ہر گل پہ ہے مہرِ خونِ جگر
اس گلستاں میں کچھ بھی ہمارا نہیں

کس قدر نامکمل ہے وہ زندگی
آتشِ غم نے جس کو نکھارا نہیں

کیوں ہے رخ پر ندامت نمایاں ابھی
آہ کی ہے تعیّن تو ۔ پکارا نہیں

آج کی شب مکمل شبِ ہجر ہے
چرخ پر چاند کیا کوئی تارا نہیں

اسکے بس کا نہیں غم بھی مثلِ خوشی
جسکو محسوس کرنے کا یارا نہیں

کم نہیں آسماں سے وقارِ زمیں
بڑھ کے انساں سے کوئی ستارہ نہیں

دردِ صابر وہی اصل میں درد ہے
جو کسی طور سے آشکارا نہیں

○

بھاگا کوئی دنیا سے دنیا پہ مٹا کوئی
ہر فرض ہزاروں ہیں کرتا ہے ادا کوئی

غیروں میں ملا کوئی دنیا کا ہوا کوئی
ظالم تری محفل سے مجھ سا نہ اٹھا کوئی

خود شیخ اڑاتے ہیں شیخوں کی ہنسی اور ہم
مر جائیں اگر کہہ دے رندوں کو برا کوئی

ہر رنج میں کام آئے آداب محبت کے
آگے کبھی دنیا کے آنسو نہ بہا کوئی

یہ خوب و خراب انساں تقسیم ہوس کی ہے
ہم اہل محبت میں اچھا نہ برا کوئی

ہم چپ ہیں فرشتے تو تکرار بھی کرتے ہیں
آساں نہیں ایسی تسلیم و رضا کوئی

ناقدریٔ دنیا کے حالات سناتے ہیں
ہم آپ کی فطرت کا کرتے ہیں گلہ کوئی

غم لاکھ سہی لیکن یہ سوچ ذرا صابرؔ
اس طرح بھی روتا ہے اے مردِ خدا کوئی

○

وقت کا کتنا کام نہ آیا
شام آئی آرام نہ آیا

ہر غم میں ہے امید اُس سے
جو کسی غم میں کام نہ آیا

شکر خدا بدنام ہوئے ہم
اُن پہ کوئی الزام نہ آیا

وعدے وفا کے کرنے والا
ساتھ مرے دو گام نہ آیا

پھر سکوں جو زیست سے پیاگا
اس کو کہیں آرام نہ آیا

وجہ تباہی عشق ہے دل ہے
ان کی نظر کا نام نہ آیا

ہنس تو نہ ساقی ان پہ خدارا
جن ہونٹوں تک جام نہ آیا

جس نے کیا عشق اسکو صابرؔ
دوسرا کوئی کام نہ آیا

○

اظہارِ تمنا کرتے ہیں ہم فکرِ مداوا کرتے ہیں
تقدیرِ محبت ظاہر ہے تدبیر کو رسوا کرتے ہیں

محتاج ترے جلووں کے نہیں جو لوگ نظارہ کرتے ہیں
اکثر تو کوئی ہوتا بھی نہیں ہم پھر بھی دیکھا کرتے ہیں

مہتاب سے باتیں کرتے ہیں تصویر کو سجدہ کرتے ہیں
دیوانے پھر دیوانے ہیں یہ جانے کیا کیا کرتے ہیں

زاہد سے خدا کو سجدہ بھی اس کیف سے شاید ہو نہ سکے
ہم نقشِ قدم پر کافر کے جس شوق سے سجدہ کرتے ہیں

محرومیٔ الفت کے شاکی مجبوریٔ حسن کو بھول نہ جا
آزادِ تمنا وہ بھی نہیں جو خونِ تمنا کرتے ہیں

دنیا نے بہت بدنام کیا کچھ اس کا نہیں شکوہ لیکن
سرکار مجھے یہ کہنا ہے کیا آپ بھی رسوا کرتے ہیں

صابر یہ تجھے کیا سوجھی ہے اب تک جو یہ کیف و مستی ہے
اس دور میں جتنے عاقل ہیں سب دنیا دنیا کرتے ہیں

○

○

حرم کی سمت کیا دیکھیں صنمخانے کہاں جائیں
تمھارے در سے اٹھ کر ٹھوکریں کھانے کہاں جائیں

جھکائے خاک پر نظریں درِ زنداں پہ بیٹھے ہیں
کہیں گھر ہے نہ در ہے چھٹ کے دیوانے کہاں جائیں

زمینِ گلستاں ٹھکرا نہ ان پژ مردہ پھولوں کو!
کلی بن کر یہاں چٹکیں تو مرجھانے کہاں جائیں

لکیریں کھینچ کر تو نے زمیں تو بانٹ دی لیکن
اب اس ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانے کہاں جائیں

یہ سن کر گفتگو ساقی کی مجھ سے اک سیاست ہے
ذرا یہ دیکھنا ہمدم کہ پیمانے کہاں جائیں

اتر آئیں اگر دیوانے مل کر سنگ باری پہ
تو سرکار آپ کے یہ آئینہ خانے کہاں جائیں!

زبانیں کاٹنے والے مظالم چھپ نہیں سکتے
جو چہرے سے نمایاں ہیں وہ افسانے کہاں جائیں

ہوس ہے نیک نام اس درجہ دنیا میں کہ اے صابرؔ
نہ رسوا ہوں تو اہلِ عشق پہچانے کہاں جائیں

دشمنِ صبر و سکوں دِل نظر آتا ہے مجھے
سازشِ حسن میں شامِل نظر آتا ہے مجھے

کس طرح بھولوں کہاں جاؤں میں اُس سے بچکر
اب وہ ہر وقت مقابِل نظر آتا ہے مجھے

لطفِ ہنگامۂ محفل نہ ملے گا مجھکو
حشرِ ہنگامۂ محفل نظر آتا ہے مجھے

فطرتِ عشق میں مجبوری و مظلومی ہے
اپنا احساس ہی قاتل نظر آتا ہے مجھے

میں نہ توڑوں گا تمھیں توڑو کہ ان غنچوں میں
ایک ارمان بھرا دل نظر آتا ہے مجھے

جب سے امّیدیں مٹ گئے خطرے سارے
آج ہر موج میں ساحل نظر آتا ہے مجھے

عشق تکمیل کو پہنچا ہے نہ پہنچے صابر
حسن ہر رنگ میں کامِل نظر آتا ہے مجھے

داغِ دل اس انجمن سے آئے ہیں
پھول جتنے ہیں چمن سے آئے ہیں

حسنِ دنیا کیا نگاہوں میں سمائے
اُٹھ کے ہم اس انجمن سے آئے ہیں

قسمتِ اہلِ جنوں میں پیچ و خم
تیری زلفِ پُر شکن سے آئے ہیں

پاس آنے دو بگولوں کو مرے
کچھ بھی ہوں میرے وطن سے آئے ہیں

حسن کی فطرت میں خود بینی کے طور
عشق کے دیوانہ پن سے آئے ہیں

حسنِ فطرت میں بھی یہ انداز و ناز
آدمی کے بانکپن سے آئے ہیں

اُن کے آنے کی خوشی صابر نہ پوچھ
رام جیسے آج بن سے آئے ہیں

○

مری تقدیر سے تدبیر لاکھوں بار شرمائی
مگر یہ فطرتِ آدم نہ باز آئے نہ باز آئی

خیالِ نامرادی سے طبیعت سخت گھبرائی
دعا بابِ اثر کے پاس تک جا کر پلٹ آئی

یہ خوں آلودہ کانٹے رہنما ہیں اہلِ دانش کو
چلو کچھ کام تو آئی جنوں کی آبلہ پائی

خوشی میں بھولنا اچھا نہیں غم کے رفیقوں کو
مجھے رہتا ہے ان کی بزم میں بھی پاسِ تنہائی

یہ رسوائی دلیلِ عصمتِ اہلِ حقیقت ہے
نہ ہو مغموم اگر کرتا ہے باطل تیری رسوائی

حیات و موت لطف و بغض کی خونی لڑائی ہیں
ہمیشہ زندگی جیتی محبت کامیاب آئی

نہیں حسن و محبت میں تعلق کس طرح مانوں
میں جب رویا ہوں فوراً ان کے ہونٹوں پر ہنسی آئی

نہ جانے کون سی منزل ہے یہ صابر محبت کی
نہ بھولا ہوں نہ ان کی یاد مدت سے مجھے آئی

○

قطعہ

ایک انسان ہے مرا محبوب
ہر بشر سے مجھے محبت ہے

شیخ صاحب کو ہے خدا سے عشق
آدمیت سے سخت نفرت ہے

خود اپنی پریشانی سے ہمیں اُس دور کے انساں یاد آئے
اپنا دامن سینے بیٹھے تو لاکھوں گریباں یاد آئے

کیا سمجھیں وہ دیوانوں کے حالاتِ غم و آلام جنھیں
جب ذکر پریشانی کا چھڑا گیسوئے پریشاں یاد آئے

جو اپنے لہو سے سینچ گئے گلزار خزاں دیدہ کی زمیں
کب پھولوں کے متوالوں کو وہ سینہ فگاراں یاد آئے

موضوعِ سخن ہے گلشن میں اب چاک گریبانی میری
ہنسنے میں مگر کیا پھولوں کو اپنے بھی گریباں یاد آئے

صحرا کی خموشی میں دیکھی میں نے جو نمودِ حسنِ ازل
تو اپنی دنیا کے مجھ کو آباد بیاباں یاد آئے

وہ دورِ اندیشہ سنبھلے ہی ہو لیکن خوش ذوق نہیں صابرؔ
ایامِ بہاراں میں جس کو انجامِ بہاراں یاد آئے

شکستِ دل ہے محبت کی ابتدا یوں بھی
قبول ہوتی ہے الفت میں التجا یوں بھی

مجھے تمہاری وفا کا بڑا بھروسا ہے
خیال رکھنا کہ بدنام ہے وفا یوں بھی

میں سوچتا ہوں کہ سچ مچ کوئی خطا کر لوں
مجھی پہ ہوتی ہے ثابت ہر اک خطا یوں بھی

خفا ہوئے نہ کسی بات پر کبھی وہ میری
رہے ہیں مجھ سے بہت روز وہ خفا یوں بھی

نہیں ہے ان سے مجھے کوئی واسطہ گویا
ہوئی ہے ان سے ملاقات بارہا یوں بھی

خیالِ خاطرِ احباب بھی پڑا رکھنا
ہوئی ہے مجھ پہ تری یاد میں جفا یوں بھی

مرے مزاج نے پیچ اور بڑھا دیئے صابرؔ
کٹھن تھا دردِ محبت کا مرحلہ یوں بھی

اسمیں بہتا ہے دل خون ہو کر اسمیں جینے کا امکاں نہیں ہے
یاد رکھنا بھی ان کو ہے مشکل بھول جانا بھی آساں نہیں ہے

ایک افسانہ ہے خود خموشی کچھ نہ کہنا تو ہے پردہ پوشی
دیکھنے والا درد آشنا ہو کون سا غم نمایاں نہیں ہے

کیوں سمجھتا نہیں بات اتنی مٹ گیا دل تو پھر کیا رہے گا
عشق تو بے خبر دیوانہ ٹھہرا حسن پر فن تو ناداں نہیں ہے

زندگی ہے ابھی بس کے بس میں موت نزدیک پھر بن آئے
صرف خوشیاں ہیں برباد میری غم کی دنیا بیاباں نہیں ہے

جسمیں کانٹے نہ ہوں سر اٹھائے صرف ہوں غنچہ و گل کے سائے
زندگی کی دو رنگی فضا میں کوئی ایسا گلستاں نہیں ہے

کیا غرض اہل دولت سے ہم کو کب بکا ہے جنون محبت
مصر میں جو خریدا گیا تھا وہ ہمارا گرہباں نہیں ہے

اب نہ وہ ہیں نہ ان کی عنایت نوحہ گر یاد ماضی ہے صابر
شور گریہ سے کاشانۂ دل ہو کے ویراں بھی ویراں نہیں ہے

جس جگہ حسن نظر آیا بجا مان گئے
ہم جفا کے بھی تسلسل کو وفا مان گئے

تم نے ان اہلِ محبت کو بھلا کب سمجھا
جو سمجھ کر بھی تمھیں اپنا خدا مان گئے

میں تو کہتا تھا نہیں قدرِ وفا دنیا میں
آپ کیوں میری شکایت کا برا مان گئے

تو نے معصومیٔ اربابِ محبت دیکھی!
خامشی کو تری اقرارِ وفا مان گئے

ڈر رہا ہوں کہ مقدر کی کوئی چال نہ ہو
آج کیا بات ہے وہ میرا کہا مان گئے

ظلم کا شکوہ نہیں تم سے مگر بات یہ ہے
ہم بھی انساں ہیں تغافل کا برا مان گئے

پی کے مئے ترکِ مے و جام پہ کیا وعظ کہا
آج اے شیخ تجھے ہم بخدا مان گئے

سنتے مری عرضِ تمنا پہ خفا جو کل تک
آج وہ میری خوشی کا برا مان گئے

حسن کو سمجھے نہ وہ عشق کو سمجھے صابرؔ
حسن کو عشق سے جو لوگ جدا مان گئے

جلوہ نما بہارِ گل و نسترن میں ہے
کس کی کمی ہے اب جو اداسی چمن میں ہے

روحِ لطیف و جانِ عزیز و دلِ غریب
کل میری کائنات تری انجمن میں ہے

بیداریِ حیات ہو ثابت خدا کرے
وہ اضطراب سا جو فضائے وطن میں ہے

ہم لوگ جو مرے ہیں پئے احترامِ زیست
خوشبوئے زندگی بھی ہمارے کفن میں ہے

اہلِ وفا بھی جس پہ لٹاتے ہیں جان و دل
کیا بات اس نگاہِ تعلق شکن میں ہے

آرائشِ جمال سے فرصت نہیں اسے
وہ بھی اسیرِ زلفِ شکن در شکن میں ہے

صابر جو اہلِ حق ہیں سکوں ان کے واسطے
پیغمبری سا ہے صلیب میں دار و رسن میں ہے

O

لالہ و گل ہیں دست و گریباں
مانگ رہا ہوں خیر گلستاں

ہے تعمیر سے تخریب آساں
بس نہ سکا دل ہو کر ویراں

کرتیں پیار سے ہاتھ بڑھائے
قطرۂ شبنم خوف سے لرزاں !!

آزادی آساں نہیں ہے
ڈھونڈیں بزدل گوشۂ زنداں

ہو نہ تڑپ تعمیر کی جس میں
ہے وہ سکونِ گورِ غریباں

خون سلامت ہے تو صابر
بدلے گا رنگ اپنا بیاباں !

○

فصلِ گل آئی مگر کربِ نظر باقی ہے
چشمِ بلبل میں کوئی خوابِ دگر باقی ہے

کارواں والو تمھیں راہ خود اپنی ڈھونڈو
راہبر چھوڑ گئے اور سفر باقی ہے

برق بھی خوب سمجھتی ہے پرایا اپنا —
آشیاں جل گئے صیّاد کا گھر باقی ہے

آپ تکیہ نہ کریں عشق کی مجبوری پہ
اب بھی کمبخت کی آہوں میں اثر باقی ہے

ہے زبانوں پہ فقط قصّۂ ناکامیٔ عشق
حسن باقی ہے نہ اب حسنِ نظر باقی ہے

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے کا گلہ کیا صابرؔ
شکر کی جا ہے کہ امّیدِ سحر باقی ہے

○

بنتی ہے خموشی خود ہر غم میں زباں سے پہلے
مظلوم کے چہرے سے اٹھتی ہے فغاں سے پہلے

الزام محبت کا مجھ پر ہی سہی لیکن
کس سمت سے اٹھا تھا آہوں کا دھواں پہلے

یہ دور مبارک ہو اے بوالہوسو تم کو
اظہارِ محبت پہ کٹتی تھی زباں پہلے

اب رند تو پیاسے ہیں اور جام بلب ساقی
پیتا تھا پلا کر کے خود پیرِ مغاں پہلے

تخریب کے پردے میں تعمیر بھی ہوتی ہے
آتی ہے بہار آخر مٹتی ہے خزاں پہلے

کیا ترکِ محبت سے تسکین بھلا ہوگی
بے دردِ محبت تھا آرام کہاں پہلے

اب ان کے کرم سے بھی تسکین نہیں صابر
وہ کاش سمجھ لیتے یہ دردِ نہاں پہلے

یہ مے خونِ بنی آدم نہیں ہے
مرا پیمانہ جامِ جم نہیں ہے

ہے سب کچھ مسکراہٹ گل کی لیکن
علاجِ گریۂ شبنم نہیں ہے

وہ دامن پونچھتا ہے اشک میرے
مگر میرا شریکِ غم نہیں ہے

پریشانی کا میری ذکر چھوڑو
کہو اب زلف تو برہم نہیں ہے

محبت دب گئی ہے بارِ غم میں
خدا شاہد ہے لیکن کم نہیں ہے

تری چشمِ کرم کا منتظر ہوں
کوئی عالم مرا عالم نہیں ہے

تمھارا دل اگر چاہے تو پی لو
یہ مے ہے شیخ جی زمزم نہیں ہے

مبارک ہو خوشی دنیا کو صابرؔ
مری خاطر سکوں بھی کم نہیں ہے

○

غم میں بھی اک نشا ہے خوشی بھی سرور ہے
وہ دل جو ہوشیار رہے دونوں سے دور ہے

ہر ذرۂ جہاں میں تمھارا ظہور ہے
بس ایک ہی حجاب ہے اور وہ غرور ہے

○

○

جنوں ہے فصلِ بہاراں ہے دیکھئے کیا ہو
دراز چاکِ گریباں ہے دیکھئے کیا ہو

سُلگ رہی ہے گل و لالہ کے جگر میں آگ
بہار شعلہ بداماں ہے دیکھئے کیا ہو

نہیں ہیں ہاتھ اب اہلِ جنوں کے قابو میں
دراز آپ کا داماں ہے دیکھئے کیا ہو

اُمید و بیم برابر کے ہیں شبِ وعدہ
ہر ایک بات کا امکاں ہے دیکھئے کیا ہو

○

کھل گیا بخشش بے سبب کا بھرم وہ فریب نوازش عیاں ہو گیا
عشق والوں کا جب بھی ہوا امتحاں حسن کا خود بخود امتحاں ہو گیا

اسقدر بار تھی خوش نوائی مری میں سزاوار قطع زباں ہو گیا
آج اس غم میں بیٹھے ہیں اہل چمن اتنا خاموش کیوں گلستاں ہو گیا

شکوۂ تلخی زیست صابر نہ کر اہل تسلیم کا یہ طریقہ نہیں
آبروئے غم کی ہے غم جو دل میں رہے جنس بازار ہے جب نمایاں ہو گیا

اب آب ملے ہے نہ یہاں دانہ ملے ہے
کھانے کو بس اک غم ہے جو روزانہ ملے ہے

میں رند پرانا ہوں مگر زاہدِ خود بیں
مجھ سے تو بہ اندازِ شریفانہ ملے ہے

آجائے ہے یاد اپنے مجھے دورِ جنوں کی
ایسا جو کوئی راہ میں دیوانہ ملے ہے

ہے ترکِ طواف ان کی گلی کا مگر اب تک
لکھا ہوا ہر جا مرا افسانہ ملے ہے

ساقی کو ہے منظور سخاوت کی نمائش
اب دیکھئے کب تک مجھے پیمانہ ملے ہے

جس دن سے ہوا کوچ محبت کا جہاں سے
ہر شہر میں ہر گاؤں میں ویرانہ ملے ہے

یہ شہرِ حسیناں جہاں خوب ہے صابرؔ
یاں جو بھی ملے ہے وہی دیوانہ ملے ہے

ہے یہی نظمِ چمن ناظمِ ناداں کے قریب
بے کفن لاش ابھی ہے جشنِ بہاراں کے قریب

بزم پرویز خبردار کہ بھوکوں کے گروہ
آ گئے ہیں تری دیوارِ شبستاں کے قریب

یہ دو رنگی تری محفل کی الٰہی توبہ
کس قدر سخت اندھیرا ہے چراغاں کے قریب

سر کے بل چلنے کا اے دوست مقام آ پہنچا
نقشِ پا کوئی نہیں منزلِ جاناں کے قریب

آپ اس خاک کے پتلے کو سمجھتے کیا ہیں
کون سی شے ہے جو ممکن نہیں انساں کے قریب

امتحانِ نگۂ عشق ہے صابر ہشیار
منزلیں اور بھی ہیں منزلِ جاناں کے قریب

مٹانے کو انھیں کب شیخ دیوانے نہیں ہوتے
مگر کیا بات ہے برباد مے خانے نہیں ہوتے

وہ جن کے ظلم ہمت زندگی کی توڑ دیتے ہیں
زیادہ تر یہ دیکھا ہے کہ بیگانے نہیں ہوتے

خلوصِ شمع کا سوز ان کو دیوانہ بناتا ہے
کہ ہر اک آگ پر قربان پروانے نہیں ہوتے

گریباں پھاڑنے والوں نے دامن بھی سیئے اکثر
تباہی کام ہے جن کا وہ دیوانے نہیں ہوتے

بہانہ جان دینے کا جمالِ شمع ہے ورنہ
پرائی آگ کے محتاج پروانے نہیں ہوتے

خدا کے ہر بشر کو پوجنے والو کبھی دیکھو
زیادہ دور کعبے سے صنم خانے نہیں ہوتے

بقائے عشق سے جو راجل شرمندہ ہے صابر
کہ موت آنے سے ختم الفت کے افسانے نہیں ہوتے

ترکِ الفت بھی کیا اس کی سزا پائی بھی
ساتھ بھی مل نہ سکا چھن گئی تنہائی بھی

کیا رہا پاس بچانے کی جسے فکر کریں
فائدہ کیا ہے جواب ہم کو سمجھ آئی بھی

دل ہو مغموم تو ہر بزم ہے بزمِ ماتم
لطف ہو دل میں تو رنگین ہے تنہائی بھی

ہر خوشی غم میں بدل جاتی ہے آتے آتے
ہائے کیا چیز ہے احساس کی گہرائی بھی

حسن مشہور ہوا میری بدولت صابر
رائیگاں جاتی نہیں عشق کی رسوائی بھی

وصال

تمھارے چہرۂ انور پہ برقِ طور کی ضو
مرے جگر میں خلش، دل میں سوزِ روحِ کلیم

ہوا، نہ ہو، نہ مناسب ہے اب دوبارہ کبھی
مری حیاتِ غم آگیں میں وہ وصالِ عظیم

○

خود فریبی

آدمی وہم کی موجوں میں بہے جاتا ہے
ظلم امیدِ مسرت میں سہے جاتا ہے

روز کہتا ہے کہ کل روز خوشی ہوگا مگر
آج کہتا ہے وہی روز کہے جاتا ہے

○

شراب و شعر غلط کیف و حال ناممکن!
تمہارے آگے کسی کا خیال ناممکن

نگاہِ حسن شریکِ گناہ ہو نہ اگر
گناہ گار نظر کی مجال ناممکن

ہو پاسِ بندہ نوازی تمھیں تو رحم کرو
مری زباں سے ہو کوئی سوال ناممکن

یہ کشمکش ہی حقیقت میں زندگانی ہے
فراق زہرِ ہلاہل وصال ناممکن

یہ اور بات کہ ظاہر نہ تم کرو ورنہ
نہ آئے تم کو ہمارا خیال ناممکن

ہو زندگی کہ عبادت کہ شاعریِ صابرؔ
جگر لہو نہ ہو جب تک کمال ناممکن

⊙

مرنے کے تصور سے گو دل تو بہلتا ہے
اک ان کی شکایت کا پہلو بھی نکلتا ہے

دنیائے محبت بھی جنت ہے مگر اسمیں
ہر ذرہ جہنم کی تیز آگ میں جلتا ہے

ہے شانِ محبت میں تکمیلِ سفر کرنا
کچھ دور تو ہر رہرو اس راہ پہ چلتا ہے

تم جب سے گئے دنیا تاریک ہے میری گو
تارے بھی نکلتے ہیں سورج بھی نکلتا ہے

لے جاؤ امانت خود تم اپنی کہ مجھ سے اب
یہ بارِ محبت کا مشکل سے سنبھلتا ہے

میں اس کے تصور سے بھاگوں تو کہاں جاؤں
ہمراہ مرے صابرؔ ہر آن وہ چلتا ہے

ہم اپنے دل میں خلش لب پہ آہ رکھتے ہیں
تری نظر پہ برابر نگاہ رکھتے ہیں

یہ کیا کہا ہمیں بہکا دیا ہے غیروں نے
خطا معاف کہ ہم بھی نگاہ رکھتے ہیں

رہائی دیں تری رحمت کی کس طرح یارب
گناہ رکھتے ہیں عزمِ گناہ رکھتے ہیں

کوئی نہ کوئی مصیبت بنی ہی رہتی ہے
بڑا خیال مرے خیر خواہ رکھتے ہیں

ہے اپنی قدر خدا کے کرم سے اے صابر
ہم اہلِ عشق نہ عزت نہ جاہ رکھتے ہیں

آدم کو کیوں نہ فکرِ جنت تازہ کرے
کب تک اس کو کوئی ہوئی فردوس کو رویا کرے

بچنے والے کو تو تنکے کا سہارا ہے بہت
کوئی خود ہی ڈوبنا چاہے تو ساحل کیا کرے

تیری زلفوں کی تو فطرت ہے کہ الجھیں گی ضرور
عشق بیچارہ کہاں تک انکو سلجھایا کرے

آپ وہ کثرت نما ہر شے میں جلوہ آشکار
دل وہ دیوانہ جہاں دیکھے وہیں سجدہ کرے

وہ لاکھ کرم کرتے لیکن قسمت کا مداوا کیا کرتے
جو درد دوا بھی ہے اپنی اس درد کو اچھا کیا کرتے

توہینِ مذاقِ الفت کی دل والے گوارہ کیا کرتے
منصور غریقِ رحمت ہوں ہم عشق کا دعوا کیا کرتے

یوں عمر کٹی صابر جیسے تلوار پہ کوئی چلتا ہو
اشکوں نے کبھی فرصت ہی نہ دی آنکھوں سے نظارہ کیا کرتے

قصد فرمائیں آپ آنے کا
ہے مقدر غریب خانے کا

موت قانون ہے زمانے کا
کھول دو در شراب خانے کا

دب گیا آنسوؤں کے طوفاں میں
آہ ارماں مسکرانے کا

اخترِ صبح کا طلوع و غروب
ہے خلاصہ مرے فسانے کا

آبرو گلستاں کی آسے صابر
تنکا تنکا ہے آشیانے کا

(۹)

پھول ہر سمت محبت کے کھلا آئے ہیں
تیرے دیوانے بیاباں میں جہاں تک پہنچے

تیشہ و تاج کے جذبات نمایاں ہو جائیں
بات شیریں سے اگر کوہِ گراں تک پہنچے

اپنی دھرتی کے حقائق نہ سمجھنے والے
فائدہ کیا ہے اگر کاہکشاں تک پہنچے

لے کے پیغام سحر شمع کی دل سوزی کا
خاکِ پروانہ کے ذرّات جہاں تک پہنچے

ضبط تہذیبِ محبت کی زباں ہے صابرؔ
وہ بھی کیا درد جو فریاد و فغاں تک پہنچے

بتا پھر کہاں روح تسکین پائے
ترے پاس بھی جب تری یاد آئے

ہمیں تو نہ راس آیا عہدِ جوانی
خداوندِ عالم انھیں راس آئے

وہ آئے تھے انجامِ غم دیکھنے کو
چلو رہ گئی لاج آنسو نہ آئے

انھیں یاد کرنے میں اس طرح کھوئے
کہ ہم آج انھیں بھی نہ پہچان پائے

محبت کے بعد اب بڑا کچھ نہیں ہے
بڑے سکھ بھی دیکھے بڑے دکھ بھی پائے

فنا ہو گئی آتشِ عشق صابر
محبت کے نغمات اب کون گائے

O

ادھورا ہے گو بن گیا آشیانہ
مکمل کریں بجلیاں یہ فسانہ

مرے اشکِ غم رائیگاں تو نہیں ہیں
ہنسی کو تری مل گیا اک بہانہ

ذرا یہ بھی دکھ سکو کو سمجھیں ہمارے
خدا بجلیوں کو بھی دے آشیانہ

حسین تر ہے جو حسن کا فر ہو لیکن
غضب ہے اگر عشق ہو کافرانہ

مری آنکھ غمگین ہے انکی پر نم
نظر سن رہی ہے نظر کا فسانہ

بناتی ہے شیر دل کو روباہ خو جو
اسی چیز کا نام ہے آب و دانہ

بہت سخت اس کے لئے زندگی ہے
طبیعت ملی ہو جسے عاشقانہ

اگر تم نہ خود ہنس سکے اپنے غم پر
تو اشکوں پہ صابرؔ ہنسے گا زمانہ

عجب طرح ترے غم میں حیات گزری ہے
نہ صبح آئی پلٹ کر نہ رات گزری ہے

تمھیں نہیں کہ زمانہ ہے بے وفا اب تو
تمھیں فضول گراں میری بات گزری ہے

نہ تن کا ہوش رہا ہے نہ سُدھ رہی من کی
فراق ہی میں مِلن کی سبھی رات گزری ہے

وظیفہ پڑھتے ہیں مہجوار اب سبھی صابر کا
بڑی بزرگ بڑی پاک ذات گزری ہے

⊙

غم میں کیا یوں ہی مسکراتے لگے!
ہم کو اس مشق میں زمانے لگے

جن سے کہنے گئے ہم اپنا درد
خود وہی اپنا غم سنانے لگے

آدمی وہ ہے دیکھ کر جس کو
رونے والا بھی مسکرانے لگے

کھل ہی جائے گا فرقِ عشق و ہوس
شکر ہے آپ آزمانے لگے

جذبۂ عشق سہل تھا لیکن
اس کی تہذیب میں زمانے لگے

اب ہم اہل وفا کی کیا توقیر
آپ جب سب پہ ظلم ڈھانے لگے

خونِ عزمِ دلِ خوددار کروں یا نہ کروں
سوچتا ہوں ترا دیدار کروں یا نہ کروں

وہ کہیں مجھ کو سبھکاری نہ کرم کا سمجھیں
اپنی تکلیف کا اظہار کروں یا نہ کروں

کرکے ذکر انسے تمنّاؤں کی بے تابی کا
اپنے ہونٹوں کو گنہگار کروں یا نہ کروں

کھا کے سو بار فریب اب بھی یہی الجھن ہے
اعتبارِ نگہِ یار کروں یا نہ کروں !!

بھولنا تجھ کو نہ ممکن تھا نہ اب ممکن ہے
یہ الگ بات کہ اظہار کروں یا نہ کروں

ہمنوا مست نشیمن میں ہیں میں بھی صابرؔ
فکرِ بہبودیٔ گلزار کروں یا نہ کروں

عشق مانا کہ بڑی سخت جسارت ہے مگر
شکر کی جا ہے کہ بدنام نہیں ہے اے دوست

عشق کی صبح پریشان ہے مانا لیکن
عشق کی شام سیہ فام نہیں ہے اے دوست

یہ تباہی یہ ترا کفر یہ جذبات خبیث
یہ محبت کا تو انجام نہیں ہے اے دوست

یوں تو شاعر کی زباں کیف اثر ہوتی ہے
وقت آنے پہ مگر برق و شرر ہوتی ہے

چاند لٹتا ہے ستارے تہ تیغ آتے ہیں
تب ہویدا کہیں مشرق سے سحر ہوتی ہے

ایک ہی روز وہاں رہ کے فرشتے دیکھیں
ابنِ آدم کی جہاں عمر بسر ہوتی ہے

دیکھنے والے یہ سب خاکِ گلستاں ہے جو
گاہ گُل گاہ کلی گاہ ثمر ہوتی ہے

ہجر کی اُن کو شکایت نہیں ہوتی صابرؔ
جنکی تکمیلِ محبت پہ نظر ہوتی ہے

قطعہ

غرق کر دیا غم جہاں جس میں
اتنی افراط میں شراب نہیں

تیرے پہلو میں کس طرح گزرے
اک حقیقت ہے زیست خواب نہیں

قطعہ

ہائے مجبوریاں زمانے کی
عشق گردوں رکاب چھوٹ گیا

تلخیٔ زیست کیوں نہ ہو محسوس
ہم سے جامِ شراب چھوٹ گیا

○
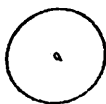
چمن میں ہم بشکلِ اجنبی بیگانہ وار آئے
ہمیں کیونکر قفس سے چھوٹنے کا اعتبار آئے

ابھی اظہارِ الفت ہو رہا ہے سرخ ہیں چہرے
رخِ اہلِ ہوس پھر دیکھنا جب ذکرِ دار آئے

ہم اہلِ گلستاں کم ظرف اے گلچیں نہیں ہوتے
نشیمن جل گیا لیکن دعا یہ ہے بہار آئے

مرے عہدِ خزاں کے دوست جب فصلِ بہار آئی
ترے حصے میں گل آئے مرے حصے میں خار آئے

کوئی وابستگی ہے یا کوئی امید ہے صابرؔ
ہوا جب بھی کوئی غم یاد وہ بے اختیار آئے

قطعہ

اک قیامت تو آپ نے ڈھائی
دوسری میں نے خود پہ ڈھائی ہے

یہ غریبی، یہ بے دلی، یہ ملال!
میرے احساس کی کمائی ہے

آمدِ موت

دل دماغ اور عقل سب شل ہیں
کچھ نہ سنتا نہ دیکھتا ہوں میں

نیند سی مجھ کو آئی جاتی ہے
اے غمِ زیست تھک گیا ہوں میں

○

ہماری زندگی کیا زندگی ہے
مگر کیا کیجئے ان کی خوشی ہے

محبت ترک جب سے ہو گئی ہے
خلش کم ہے مگر غائب خوشی ہے

تصور وجۂ راحت ہو جہاں سے
وہیں سے ابتدائے بیکسی ہے

جہاں میں حسن تو ہر سو ہے لیکن
محبت کرنے والوں کی کمی ہے

وطن کو کون سمجھائے کہ صابر
یہ آزادی نہیں آوارگی ہے

عشق

اشک شاداب نہ رکھیں جو مسلسل اسکو
عشق کا گلشنِ سرسبز بیاباں ہو جائے

حسن اگر عشق کے ارمان کو پورا کردے
عشق خود اپنی تمنا پہ پشیماں ہو جائے

حسن

چاند، گلفام، صنم، زہرہ جبیں کہتا ہے
پھول کہتا ہے کہیں شمع کہیں کہتا ہے

حسن دراصل کوئی چیز نہیں ہے صابر
عشق خود اپنے تصور کو حسیں کہتا ہے

○

حاصل مدام عشق کی لذت رہی مجھے
یعنی تمام عمر کٹی انتظار میں

دیر و حرم سے پھر نہ پلٹنا پڑے کہیں
یہ سوچکر پڑا ہوں ابھی کوئے یار میں

صابر جو چار تنکے مرے آشیاں میں ہیں
طوفاں بپا ہے محفلِ برق و شرار میں

ایسے فریادی کو آخر روک بھی سکتا تھا کون
اپنی خاموشی سے جو کارِ زباں کرتا رہا

عشق دھوکا ہی سہی رنگین ہے کتنا مگر
جس پہ میں قرباں یقینِ دو جہاں کرتا رہا

مائلِ پستی نہ میرا دل ہوا صابرؔ کبھی
خاک ہونے پر بھی عزمِ آسماں کرتا رہا

کبھی رہینِ سکونِ شانِ اضطراب نہ ہو
خدا کرے کہ مرا عشق کامیاب نہ ہو

ہزاروں رنج و مصائب سے آدمی بچ جائے
اگر حیات میں اک حصۂ شباب نہ ہو

ملا دے خاک میں سب اس کی آبروِ دنیا
اگر نوازشِ شبنم کو آفتاب نہ ہو

فراق و وصل کسی میں کبھی سو نہیں سکتی
وہ آنکھ جس کے مقدر میں لطفِ خواب نہ ہو

جو نام رکھا ہے صابر تو اس کی لاج کبھی رکھ
فغاں کبھی لب پہ نہو آنکھ کبھی پر آب نہو

دیئے ہیں مجھکو غم و رنج و درد دنیا نے
مجھے جواب میں دینے ہیں سارے ساغر کا نے

تمام رات گزارے گی شمع رو رو کر
ابھی سے خاک ہوئے جا رہے ہیں پروانے

کسی کی مست نگاہوں سے پی چکا ہوں میں
خراب کر نہ سکیں گے مجھے یہ میخانے

جہان ہوش ادب صابر خراب کا کر
کہ آج کل کہاں ملتے ہیں ایسے دیوانے

نہ دیکھیں آپ یوں میری طرف مخمور نظروں سے
انھیں باتوں سے یہ دنیا بنا لیتی ہے افسانے

ترقی ہو مگر صابر ادب سے جا نہیں سکتے
یہ حسن و عشق کے قصے یہ درد و غم کے افسانے

○

ایک شعر

خدا کا شکر آخر آ گئے تم
یہ دن ہم نے بڑے دکھ سے گزارے

ایک شعر

آج کا دن بھی کٹ گیا صابر
ایک منزل نکل گیا راہی

تیری مثال تو کہاں ہیں کہ ہوں تیرا مدح خواں
میرا جواب ڈھونڈ کے لائے لطافتِ جہاں

شعر و شراب و فلسفہ فطرت و بزم دوستاں
ایک جو پاس تو نہیں پھرتا ہے دل کہاں کہاں

میں تو جلا کہ ہجر میں جلنا قریبِ فہم ہے
تم کو مگر یہ کیا ہوا چہرہ ہے کیوں دھواں دھواں

رہ روِ راہ عاشقی مقصدِ دل ہیں خود وہی
انکا کرم کبھی امتحاں انکا ستم کبھی امتحاں

○

قوم آدم کے گھرانے کے لئے زہر بنی
شر کی بنیاد زمانے میں ہے حب الوطنی

زندگی نام ہی مجموعۂ اضداد کا ہے
مثل پابندی و آزادیٔ سروِ چمنی

غصہ و کبر طہارت نہیں ہوتے اے شیخ
توبہ کے واسطے لازم نہیں ساغر شکنی

عشق کا درد بھی اک قسم کی عیاشی ہے
کس کو اس دور میں فرصت جو کرے کوہ کنی

ہم نہ کہتے تھے وفاداروں کو رسوا نہ کرو
ایک فن بن گئی آخر کو تعلق شکنی

مقصدِ جنگِ سکندر بھی تھا امنِ عالم
لیکن اس درد کا دارو ہی نہیں تیغ زنی

مستِ سرمایہ تجھے ہوش بھی ہے کچھ اسکا
کتنے اشکوں کا نتیجہ ہے تری خندہ زنی

میں نے پوچھا تھا کہ بارش کہو کب تک ہو گی
شیخ جی اسکو بھی کہنے لگے توبہ شکنی

قطعہ

ساتھ شوہر کے ستم سہتی ہے عورت یعنی
اب بھی حوّا کی طبیعت میں وفاداری ہے

ماں کے آنچل میں ہمکتا ہوا ہر طفلِ حسیں
ہے ثبوت اسکا کہ آدم کا سفر جاری ہے

○

حسن کا ظلم وقفِ عام ہوا
عشق کرنا سبھی اب حرام ہوا

اس زمانے میں کوئی عیب نہیں
اب تو ہر عیب نیک نام ہوا

شیخ جی بھی سنا ہے پیتے ہیں
تب تو یہ کام بھی حرام ہوا

اُف تری انکھڑیوں کی گویائی
میں یہ سمجھا کہ کچھ کلام ہوا

طے تو کرلی رہِ وفا لیکن ا
ایک منزل ہر ایک گام ہوا

میکشوں نے نمازِ جام پڑھی
اپنا صابر وہاں امام ہوا

○

تجھسے ناراض ہے خدا زاہد
اور کہہ عشق کو برا زاہد

حور و غلماں ہیں یا خدا زاہد
کون معبود ہے ترا زاہد

جس سے رندی نہ ہو سکی برداشت
ڈر کے کم ظرف ہو گیا زاہد

زہد نے منبر و کتاب چھینی
عشق نے جنگ کربلا زاہد

جس کے بندے ہیں ہم شفیق ہے وہ
جانے ہے کس لئے خفا زاہد

بزمِ رنداں میں بیٹھ کر تجھکو
بات کرنا تو آگیا زاہد

کل ہی صابر نے پی ہے آگے
کون کہتا ہے ہوگیا زاہد

○

تکلف

یہ کھڑے ہو کے بار بار سلام
پوچھنا کہئے کیسے آئے ہیں

مجھسے ملتے ہیں دوستوں کی طرح
آپ اب کس قدر پرائے ہیں

مری مضمحل ہنسی پر تری ہے نظر ستمگر
مرے بے پناہ دکھ کی تجھے کیا خبر ستمگر

ہے گواہِ بے گناہی مری چشمِ تر ستمگر
نہیں میں نے کچھ بھی دیکھا تجھے دیکھ کر ستمگر

وہ ذرا ذرا سی باتیں تجھے یاد جو نہیں اب
انھیں میں ہی کیوں نہ بھولا کبھی عمر بھر ستمگر

مری بے زباں محبت کہیں مر نہ جائے گھٹ کر
کبھی حال پوچھ ظالم کبھی بات کر ستمگر

میں خفا ہوں اور تو ہو کرم تمام پھر بھی
مری ہر نظر محبت تری ہر نظر ستمگر

○

زندگی ہے نہ کچھ جوانی ہے
برگ پر ایک بوند پانی ہے

شرحِ امید کر سکا نہ کوئی
یہ بھی اک لفظِ بے معانی ہے

تو نے یہ بھی کبھی نہیں سوچا
میں بھی فانی ہوں تو بھی فانی ہے

مرتے ہیں اور مر نہیں سکتے
یہ بھی کیا کوئی زندگانی ہے

حسنِ دنیا بھی خوب ہے لیکن
اسکو کیا کیجیے کہ فانی ہے

موت کی نیند کتنی ہے آساں
کتنی دشوار زندگانی ہے

حال صابرؔ کی زندگی کا نہ پوچھ
دوست اک دکھ بھری کہانی ہے

ہو گئے یک رنگ دونوں کس طرح وقت سحر
کہہ رہی تھی رات روکر شمع پروانے سے کیا

مٹ گیا وہ دل جسے احساس لطف و رنج تھا
آہ! صابرؔ اب کسی کے رحم فرمانے سے کیا

○

انجام قصد ترکِ محبت نہ پوچھیے
مجھ سے مری شکست و ندامت نہ پوچھیے

جب ہر قدم پہ اس نے دیا ہے مجھے فریب
پھر بھی ہے کیوں عزیز محبت نہ پوچھیے

فردوس مل کے چھوٹ گئی بدنصیب سے
انجامِ کامیابِ محبت نہ پوچھیے

نا اہل کے لئے تو ہر اک جرم ہے معاف
شائستہ نظر کی مصیبت نہ پوچھیے

ہے حسن اگر تو حسن کی لذت اٹھائیے
مجھ تلخ گو سے اس کی حقیقت نہ پوچھیے

دل میں بسا ئے یادِ الٰہی ہے ان کی یاد
صابر درازدستیٔ الفت نہ پوچھیے

○

○

ہوس غرور کو اکسا گئی تو کیا ہوگا
جو بیخودی کی خودی آ گئی تو کیا ہوگا

ہنسی اُڑاتے ہوجس کی وہ میری مایوسی
تمہارے رُخ پہ اگر چھا گئی تو کیا ہوگا

وفا کے بعد بگڑ کر تو تم کروگے جفا
مجھے جفا بھی پسند آ گئی تو کیا ہوگا

مذاق اڑا نہ غریبوں کا اے غرور شہی
تجھے جوان کی نظر کھا گئی تو کیا ہوگا

مرے ہزاروں جہاں میں تو کیا ہوا صابر
یونہی جو ہم کو اجل آ گئی تو کیا ہوگا

○

سعیٔ لا حاصلِ اظہار سے جی ڈرتا ہے
بات کرتے ہوئے سرکار جی ڈرتا ہے

لاکھوں بہروپ محبت کے نظر سے گورے
اب تو ہر طرح کے غمخوار سے جی ڈرتا ہے

یوں جو ٹھکرائے گئے دل تو نہ ٹوٹیں گے کیوں
آپ کی شوخیٔ رفتار سے جی ڈرتا ہے

اور سب لوگ تو دولت سے پگھل جاتے ہیں
اہلِ سرمایہ کا فنکار سے جی ڈرتا ہے

○

○

غمِ دنیا کی سر پر دھوپ جس دم چلچلاتی ہے
تو دامن اپنا پھیلائے تمھاری یاد آتی ہے

کمر تک زلف مینا در بغل پیمانہ ہاتھوں میں
بڑے ناز و ادا سے میکدے میں شام آتی ہے

○

مرے اور تیرے دل میں کوئی فرق ہے تو اتنا
تجھے ہوش آچکا ہے میں ہوں بے قرار اب تک

مجھے جانے دے زمانے ہے یقین یہ کہ ہوگا
مری جنتِ نظر کو مرا انتظار اب تک

○

○

وہ کسطرح کسی کو بتائے کہ کیا ہوا
جس بے زباں پہ ظلمِ محبت نما ہوا

دل مبتلائے عشق مرا مرحبا ہوا
جو ٹوٹ بھی گیا تو بڑے کام کا ہوا

میں کیا کروں دعا کو مرے لب نہ کھُل سکے
بابِ قبولیت تو کئی بار وا ہوا

پروانے کو طواف میں دیکھا ہر ایک نے
اب اس کے بعد شمع سے پوچھو کہ کیا ہوا

خوفِ ممات خواہشِ دنیا غمِ حیات!
محفوظ ہر بلا سے دلِ مبتلا ہوا

صابر گریز سب نے کیا جس نامِ مرگ سے
شانِ خدا وہ دل کا مرے آسرا ہوا۔

اٹھائے پھر رہے ہیں بار الفت کا جو دیوانے
ہوس، اس کے تصور سے ترے چھل جائیں گے شانے

مجھے ہر وقت تو رونے کی فرصت مل نہیں سکتی
مگر میری یہ مجبوری تمہاری یاد کیا جانے

زمین و آسماں کی گردشِ پیہم عبادت ہے
مہ و اختر بھی ہیں شاید کسی تسبیح کے دانے

کسی کو منزلِ مقصود تک جانے نہیں دیتے
یہ مندر اور یہ مسجد یہ کعبے اور یہ بتخانے

ادب لازم ہے اے دنیا مرے چاکِ گریباں کا
کہ اس دورِ ہوس میں اب کہاں ہیں مجھ سے دیوانے

○

زمیں کے یہ ذرّے فلک کے یہ انجم
کہیں جلوہ گر ہم کہیں جلوہ گر تم

دیارِ محبت کی پُر پیچ راہیں
نہ جانے کہاں زندگی ہو گئی گُم

تمہارے سکوتِ دوامی نے بخشا
مری روح کو غیر فانی تلاطم

جو چپ ہے تو چپ ہے نہیں ہے تو گریاں
محبت کو آئی نہ طرزِ تکلم

رُکی ہے نہ صیّاد سے رک سکے گی
ہنسی گل کی اہلِ چمن کا ترنم

○

ان کا ملنا مرا ارمان ہے قسمت تو نہیں
ہو حسیں لاکھ مگر خواب حقیقت تو نہیں

عشقِ خوددار کو منظور عنایت تو نہیں
رحم اچھا ہے مگر رحم محبت تو نہیں

بوالہوس تو بھی مٹا میں بھی مٹا ہوں لیکن
شکر خالق مجھے احساسِ ندامت تو نہیں

عیش دنیا بڑی نعمت ہی سہی اسکو مگر
تیرے بخشے ہوئے غم سے کوئی نسبت تو نہیں

ظلم کا ظلم سے نخوت کا تکبر سے جواب
شانِ انصاف سہی شانِ محبت تو نہیں

یہ تبسم یہ تکلم یہ نوازش یہ کرم
خوف ہے مجھ کو کوئی اسمیں سیاست تو نہیں

شعر و مستی بھی بہت خوب ہے لیکن صابر
عمر کٹ جانے کی اسمیں کوئی صورت تو نہیں

○

کوئی کہتا ہے درد ہے ہستی
پوچھتا ہے کوئی خوشی کیا ہے

مبتلائے غمِ حیات ہیں سب
کس سے پوچھیں کہ زندگی کیا ہے

○

○

دیکھ کر آرزو دید کی بڑھ گئی
پی کے پانی مری تشنگی بڑھ گئی

جب کبھی راحتِ زندگی بڑھ گئی
اور بھی تب تمہاری کمی بڑھ گئی

چھوڑنا قیدیٔ عشق کو ظلم تھا
ہو کے آزاد اوارگی بڑھ گئی

یہ ترقی ہوئی یا زوالِ بشر
دل مٹا رونقِ ظاہری بڑھ گئی

زندگی تو بہت عام شے تھی مگر
درد سے عظمتِ آدمی بڑھ گئی

آپ نے جب سے زنجیرِ غم بخش دی
قیدیٔ عشق کی زندگی بڑھ گئی

لطفِ صابر ہوا ظلم کی شکل میں
دردِ دل کیا بڑھا ہر خوشی بڑھ گئی

○

قطعہ

لٹتی دیکھی ہیں عصمتیں میں نے
روح کو پائمال دیکھا ہے

کیوں نہ ہو نازِ کفر پر مجھ کو
میں نے مذہب کا حال دیکھا ہے

○

○

دکھ تو نہ دے گا اس کا بہانہ
اپنے سے بہتر بیگانہ

جانے کیا کیا شمع سے کہتا
بول اگر سکتا پروانہ

ہوں نہ اگر ساقی کی نظریں
مے سے کبھی نہ بنے مے خانہ

موقعے موقعے پر ہے آنسو
پانی، موتی، آگ، فسانہ

بت خانے کی لاج بھی کھوئی
کعبہ بھی نہ بنا بت خانہ

ہو نہ اداس اس غم پر صابر
پھر بدلے گا رنگ زمانہ

○

بیاباں مری روح کا گلستاں ہے
غمِ زیست میرا غمِ دل کہاں ہے

نگاہوں سے ظاہر ہے رُخ سے عیاں ہے
فقط نام کو درد دردِ نہاں ہے

خدا جانے کیا حشر ہونا ہے میرا
نہ میں مہرباں ہوں نہ وہ مہرباں ہے

شبِ غم کی تاریکیاں اللہ اللہ
تصور کی تنویر سبھی رائیگاں ہے

مجھے ضد نہیں دیر و کعبہ سے لیکن
ترا آستاں پھر ترا آستاں ہے

ہوس مفلسی میں سبھی کرتی ہے دعوے
محبت غنی ہے مگر بے زباں ہے

بری طرح ہے عام حسن اور نغمہ
بڑا بد مذاق آجکل کا جہاں ہے

ہوئی جو نہ پوری کسی طرح صابر
وہی آرزو ہمدم جاوداں ہے

تلاشِ نقشِ قدم میں خبر نہیں ہوتی
کہ ہر زمین تری رہگزر نہیں ہوتی

ہزاروں غم ہیں غمِ عشق کے سوا لیکن
دلِ حزیں کو اب ان کی خبر نہیں ہوتی

یہ جذب و ذوق و نظارہ گناہ ہوتے ہیں
جب احتیاطِ طریقِ نظر نہیں ہوتی

ہوس کے پاس بظاہر تو کیا نہیں ہوتا
نصیب روح کو راحت مگر نہیں ہوتی

غلط کہے نہ حقائق کو کیوں جہاں صابر
ہر اک کی آنکھ حقیقت نگر نہیں ہوتی

ہوتی ہے بے سبب کبھی عداوت کبھی کبھی
ملتی ہے یوں بھی دادِ محبت کبھی کبھی

شکوہ نہ کر پڑے جو مصیبت کبھی کبھی
اس بھیس میں بھی آتی ہے رحمت کبھی کبھی

ملتے ہیں کامیابِ ہوس ہر گھڑی ہزار
لیکن کوئی خرابِ محبت کبھی کبھی

تیری جفا کی بات نہیں تو خجل نہ ہو
ہوتی ہے خود اداس طبیعت کبھی کبھی

دیوانگی بری ہے مگر اس کا کیا علاج
عقل و خرد سے ہوتی ہے وحشت کبھی کبھی

دل سے مرے لطافتِ احساسِ غم نہ پوچھ
ہے ناگوار وصل کی راحت کبھی کبھی

صابرؔ سزائے چشمِ حقیقت نگر ہے غم
ہاں غم ہی بخشتا ہے مسرت کبھی کبھی

○

قطعہ

دور سے دیکھئے جو دولت کو
رشک سینے میں سر اٹھاتا ہے

میں نے دیکھا ہے پاس سے ان کو
اہلِ دولت پہ رحم آتا ہے

آپ کے غم میں جو دنیا کا کرم ہوتا ہے
ہو گا امرت وہ مگر مجھ کو تو سم ہوتا ہے

یوں تو ہوتی ہے بڑی خواہشِ تسکیں سبھی مگر
آرزوؤں کے کبھی مٹ جانے کا غم ہوتا ہے

دیکھنے والو سرِ بزم جو ہنستا ہے بہت
اکثر اوقات وہی پیکرِ غم ہوتا ہے

آپ کی شان تو اک پختہ حقیقت ہے مگر
ہم غریبوں کا بھی دنیا میں بھرم ہوتا ہے

یوں تو راہوں میں پڑے رہتے ہیں لاکھوں پتھر
جس کو ملتی ہے محبت وہ صنم ہوتا ہے

جس نے دیکھی ہی نہیں زندی و مستی صابر
اعتبار اس کے تقدس کا بھی کم ہوتا ہے

وہی نگاہ جو جنت بتائی جاتی ہے
اسی سے برقِ تجلی گرائی جاتی ہے

ہے برق سے بھی زیادہ وہ دشمنِ گلزار
جو آگ آتشِ گل سے لگائی جاتی ہے

جفا بغیر شہادت ہے ثابت و موجود
مگر غریب وفا آزمائی جاتی ہے

یونہی چھپا دلِ مجبور دردِ مہجوری
کہ جیسے اپنی عبادت چھپائی جاتی ہے

وہی فلک کی مسافر وہی زمیں کی اسیر
وہ زندگی جو برابر مٹائی جاتی ہے

تمام رات کٹی ان کی یاد میں صابر
نمودِ صبح ہوئی نیند آئی جاتی ہے

زمانہ ساتھ رہتا ہے مگر ہمدم نہیں ہوتا
شریکِ عیش ہوتا ہے شریکِ غم نہیں ہوتا

وہ ہیں اپنا بدل اُن کا بدل عالم نہیں ہوتا
کہ دنیا ہے مگر احساسِ فرقت کم نہیں ہوتا

خوشی ندی ہے جو بڑھتی ہے گھٹکر بڑھکے گھٹتی ہے
مگر غم وہ سمندر ہے جو بڑھ کر کم نہیں ہوتا

الٰہی زندگی کا کارواں کس موڑ پر ہے اب
خوشی معدوم ہے محسوس کوئی غم نہیں ہوتا

مرے غم کی لطافت میں نہ ہنسنا ہے نہ رونا ہے
کہ صابرؔ روح کے نغمے میں زیر و بم نہیں ہوتا

قمر سے بات کہ دل سے گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں مجبور کیا نہیں کرتے

خفا تو ہوتے ہیں ہم ان سے گاہ گاہ مگر
کسی کا ان کے سوا آسرا نہیں کرتے

جنھیں نہیں ہے کوئی غم وہ غم کے شاکی ہیں
جو اہلِ غم ہیں وہ غم کا گلہ نہیں کرتے

کچھ ان کا راز چھپانے کی حد نہیں صابر
جھجک کے مارے خدا سے دعا نہیں کرتے

○

غیر ممکن غمِ آلام سے آگے نہ بڑھے
عشق اور خطرۂ انجام سے آگے نہ بڑھے

بوالہوس خونِ جگر پینے اٹھے تھے لیکن
ساغرِ بادۂ گلفام سے آگے نہ بڑھے

دار تو شیخ کے رستے میں کبھی آ ئی تھی مگر
تھے وہ اسوقت کسی کام سے آگے نہ بڑھے

○

وہ چشمِ نرگسی اشکوں سے تر ہے
محبت بھی بڑی بے داد گر ہے

نہیں ہے کوچۂ جاناں بھی منزل
مزاجِ عشق میں داخل سفر ہے

بدلتا ہے مزاج اس کا بھی اکثر
محبت بھی بڑی نامعتبر ہے

قوی تو ہے شبِ غم ہی بظاہر
مگر تعظیم کے قابل سحر ہے

نہ دنیا ہے نہ وہ ہیں پاس صابرؔ
نہ دردِ سر نہ اب دردِ جگر ہے

○

مرے جنوں کا مقدر بھی تیرا فیصلہ ہے
یہ تیری زلفِ گرہ گیر ہی کا سلسلہ ہے

جفائیں اور تو برداشت ہو گئیں ساری
بس ایک انکی ندامت کا اور مرحلہ ہے

مری حیات مری موت کچھ نہیں اے دوست
تری نگاہِ عنایت کا ایک مشغلہ ہے

فراق و وصل سب احساس کے کرشمے ہیں
وہ میرے پاس ہیں لیکن دلوں میں فاصلہ ہے

مری ہنسی سے جو خوش ہے اسے بتا صابرؔ
کہ اس کے پیچھے مرے آنسوؤں کا قافلہ ہے

○

رلاتی تھے انھیں فریاد میری
یہ مظلومی ہے یا بیداد میری

زمانہ جب کرے گا ظلم تم پر
وفا آئے گی تم کو یاد میری

تصور نے تراشے سینکڑوں بُت
شبِ فرقت بھی ہے آباد میری

تمھارا غم ہی جب میری خوشی ہے
طبیعت ہو نہ کیوں ناشاد میری

نشیمن ہوگیا نذرِ بلا اب
رہائی موت ہے صیاد میری

غمِ دنیا نے یورش کی ہے صابرؔ
غمِ جاناں کر اب امداد میری

تمھارے سامنے دل میں مرے نشتر سے چبھتے ہیں
مگر پھر بھی تمھیں آرامِ جاں کہنا ہی پڑتا ہے

بوجۂ اوج و رونق بھی، بوجۂ ظلم و ایذا بھی
تمھاری رہ گزر کو آسماں کہنا ہی پڑتا ہے

شکایت کے حضورِ دوست کچھ آداب ہوتے ہیں
حقیقت کو بطرزِ داستاں کہنا ہی پڑتا ہے

دلِ مایوس کو صابرؔ ہم امیدیں بندھاتے ہیں
مظالم کو وفا کا امتحاں کہنا ہی پڑتا ہے

عشق تیرا تو ہر مرحلہ جرم ہے
ابتدا جرم تھی انتہا جرم ہے

جرم عشق و ہوس دونوں ہی ہیں مگر
ایک کیا جرم ہے ایک کیا جرم ہے

ہم وفا پیشہ معتوب ہیں ان دنوں
اب محبت بھی شانِ خدا جرم ہے

جو نہ دیکھیں تو بد ذوق کہلائیں ہم
اور انھیں غور سے دیکھنا جرم ہے

بے غرض دوستی بے سبب دشمنی
وہ مرا جرم تھا یہ ترا جرم ہے

لوگ فرسودہ کہتے ہیں صابرؔ ہمیں
اس زمانے میں ذکرِ خدا جرم ہے

چند یادیں کچھ اشعار ہیں اب وہ خوشیاں نہ غم رہ گئے
ختم راہِ وفا ہو گئی میرے نقش قدم رہ گئے

حسن بے پردہ جب سے ہوا دل کا کام آنکھ کرنے لگی
دیکھنے والے بڑھنے لگے چاہنے والے کم رہ گئے

منزلیں عشق کی طے ہوئیں شکر تم بھی خدا کا کرو
رنج و راحت کے طوفاں مٹے ایک تم ایک ہم رہ گئے

رہروانِ رہِ عشق کے بڑھ کے منزل نے چومے قدم
غیظ میں کھاتے بل دمبدم راہ کے پیچ و خم رہ گئے

بیکسی میں بھی اصآبر رہا نام ان کا زباں پر مری
منتظر میری فریاد کے گوشِ اہلِ کرم رہ گئے

روح کی تشنگی نہیں جاتی
ہجر میں مے کبھی پی نہیں جاتی

آج وہ پوچھتے ہیں حال مرا
مجھ سے جب بات کی نہیں جاتی

ہو نہ جب تک کسی کی زلف میں قید
دل کی آوارگی نہیں جاتی

بے نیازی سے میری کیا ہوگا
یوں محبت مٹی نہیں جاتی

بعض اوقات غم میں اے صابرؔ
پیاس ہوتی ہے پی نہیں جاتی

کس کس کا ترے ہجر میں احساں نہیں دیکھا
گلشن نہیں دیکھا کہ بیاباں نہیں دیکھا

تعظیم کے قابل ہے جنوں بس وہی جس کو
دنیا نے کبھی چاک گریباں نہیں دیکھا

وہ دیکھ سکے گا نہ اسے عقل کی ضو میں
جس نے اسے نزدیکِ رگِ جاں نہیں دیکھا

افسوس کہ زاہد کبھی پندار میں تو نے
اخلاصِ دلِ بادہ گساراں نہیں دیکھا

تہذیبِ جنوں بھی ہے جنوں ہی نہیں میں نے
چھونا کو کجا گوشۂ داماں نہیں دیکھا

اے خالقِ کونین سحر بار دگر کر
مدت سے جہاں میں کوئی انساں نہیں دیکھا

آسودۂ گل ہائے تر اشخاص نے صابرؔ
ہنگامۂ تعمیرِ گلستاں نہیں دیکھا

رفیقۂ حیات

یہ اتفاق اگر ہے تو اس پہ حیرت ہے
کہ زندگی نے ہمیں دو کو انتخاب کیا

مری حیات جو ناکام و نامکمل تھی
تری وفا نے اسے چھو کے کامیاب کیا

وہ زندگی کے کڑے کوس وہ کٹھن راہیں
وہ میرے دوش پہ بارِ حیات کا انبار

وہ میرے ساتھ ترا چلنا سر جھکائے ہوئے
وہ تیری گود میں بچّہ دلِ حزیں میں پیار

ترے وجود سے عیاشیاں نہیں ہیں مگر
بہت حسین اشارے ہیں شادمانی کے

نشہ شراب کا تجھ میں نہیں ہے گو لیکن
تری حیات ضروری ہے مثل پانی کے

نظر فریب تو آزادیاں بھی ہیں لیکن
ترے خلوص کی پابندیوں کا کیا کہنا

بہت لذیذ ہے بازار کا طعام مگر
تری پکائی ہوئی روٹیوں کا کیا کہنا

مرے قریب جو تو ہے تو آبرو ہے تری
مرا وقار یہی ہے کہ میرے پاس ہے تو

یہ اپنا قربِ غمِ زندگی کا پردہ ہے
ترا لباس ہوں میں اور مرا لباس ہے تو

ترے کرم سے کبھی خوش ہوں مثلِ اوروں کے
کبھی شکارِ ستم ہائے کم نگاہی ہوں

مرا خطاب تو مالک ضرور ہے لیکن
ترے محل کا میں مالک نہیں سپاہی ہوں

یہ ربط و ضبط تعشق بھی ہے عبادت بھی
ادب کی جا ہے کہ یہ زندگی کا مندر ہے

حسین لاکھ سہی پھر بھی جسم پاک ترا
شراب خانہ نہیں لکشمی[1] کا مندر ہے

یہاں حجاب میں لپٹی ہے بے حجابی بھی
گر ناروا بھی یہاں ناروا نہیں ہوتا

کوئی بھی پردہ زن و شو میں گو نہیں حائل
مگر یہ رشتہ کبھی بے حیا نہیں ہوتا!!

تری شریف محبت کے لاکھ پہلو ہیں
زمیں کا سبزہ بھی ہے آسماں کا بادل بھی

بہن کا پیار ہے بیٹی کا جذبۂ خدمت
کبھی کبھی ترا دامن ہے ماں کا آنچل بھی

سفید بال جو اب سر کے ہیں تو کیا غم ہے
مری نگاہ میں ہیں تیرے گیسوؤں کے سحاب

خزاں کا ہاتھ کبھی جن کو چھو نہیں سکتا
مہک رہے ہیں تصور میں عارضوں کے گلاب

[1] ہندو دیومالا میں دولت اور خوشحالی کی دیوی صاحبہ

شکست وقت کا پندار کر دیا تو نے
میں اب جوان نہیں ہوں تو کیا مصیبت ہے

مری حیات کے ضامن ہیں یہ حسیں بچے
مرا شباب فسانہ نہیں حقیقت ہے

ہمارے عشق کی بنیاد حسن ہے نہ شباب
ہمارے عشق کی ہر چیز غیر فانی ہے

یہی فسانہ کہیں گے ترے مرے بچے
یہ زندگی کا تسلسل بھی جاودانی ہے

پاکیزہ امانت

تو مرا کوئی نہیں بات یہ سچ تھی کل تک
آج تو کیا ہے اسے کہنے کو الفاظ نہیں

روح کا چین دلِ بے کس و بے تاب کا صبر
میری آنکھوں کی ضیا میری محبت کا امیں

تیری راحت کے لئے تیری خوشی کی خاطر
پھول مانگوں گا سمن زار و صبا مانگوں گا

تیرے خوش رہنے کی ہر وقت کرونگا خواہش
اٹھ کے راتوں کو ترے حق میں دعا مانگونگا

اب ترے ساتھ وہ کانٹوں پہ چلے گی ہر وقت
اپنے سینے پہ محبت سے سلایا ہے جسے

تیرے ہاتھوں میں اسے سونپ دیا ہے میں نے
چاند تاروں کی نگاہوں سے چھپایا ہے جسے

یہ کسی گھر میں نہیں پیار کے مندر میں پلی
ظلم و نفرت کی لڑائی نہیں دیکھی اس نے

نام شاید کسی قصے میں سُنا ہو لیکن
اپنی آنکھوں سے برائی نہیں دیکھی اس نے

پھول سنگیت بھجن پیار ہنسی کے نغمے
ان سے آگے کا نظارا اسے معلوم نہیں

یہ مرے گھر میں رہی ہے کسی دیوی کی طرح
کتنی گندی ہے یہ دنیا اسے معلوم نہیں

اب تو رکھنا ہی پڑے گا اسے دنیا میں قدم
میری پاکیزہ امانت کی حفاظت کرنا !

اس کی معصوم خطاؤں کو بڑھانا نہ کبھی
یہ محبت میں پلی ہے تو محبت کرنا

لائے ہر صبح ترے گھر میں خوشی کی کرنیں

شام کی زلفِ پریشاں ہو سکوں کا پیغام

تیرے آنگن میں مسرت کے حسیں پھول کھلیں
کامیابی تجھے ہر روز کرے آ کے سلام

○

قطعہ

دور رہ کر بھی ہیں بنگا ہوں میں
پاس ہیں آنسوؤں میں آہوں میں

وہ مرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں
زندگی کی اداس راہوں میں

○

روپ چہرے

میں نے عورت کو کئی روپ میں دیکھا ایک
مادرِ مشفق و خود دار لئے زیست کا جام

شوخ و ناراض کبھی ہمدم و دمساز بہن
جسکی ہر سانس ہے اک پاک رفاقت کا پیام

ایک وہ روپ کہ جس روپ پہ سب کچھ قرباں
فلسفی کہتے ہیں رنگین معما جس کو

حسنِ محبوبہ کہیں قہر کہیں رحمتِ حق
ابنِ آدم نہ کسی شکل سے سمجھا جسکو

ایک وہ روپ جسے رحمت کامل کہیئے
مرد کی آنکھ میں ہے جس سے طہارت کا کمال

پاک و پُر سوز ہے اس طرح وجودِ دختر
قلبِ جبرئیل میں جس طرح عبادت کا خیال

ایک یہ روپ دھواں اٹھتا ہے میرے دل سے
روح بک جاتی ہے تن بکتا ہے من بکتا ہے

جس نے اوتار جنے جس نے پیمبر پالے
اسی عورت کا سرِ راہ بدن بکتا ہے

میں سمجھتا ہوں گنہگار نہیں زن ہرگز
صرف کمزوری فطرت ہے وبالِ عورت

حق نے حوا کے لئے حسن و نزاکت کو چنا
بن گئے بڑھ کے وہی وجہِ زوالِ عورت

تو نے یہ راز نہ سمجھا تو تعجب کیا ہے
تو سمجھتا ہے گنہ اس کو کہ جو چیز ہے غم

یہ بھی ہے دین اسی لعنتِ سرمایہ کی
بوجھ سے جسکے پسی جاتی ہے نسلِ آدم

تیرے نزدیک فقط عیش کا سامان ہے زن
آدمیت کے دلِ زار میں تو نشتر ہے

تو نے بازار کی اک چیز ہی سمجھا جس کو
وہ تری ماں تھی ہمشیرہ تری دختر ہے

قطعہ

منہ سے عورت کو کہتا ہے دیوی
دل میں لیکن نہ جانے کیا کیا ہے

ہر طوائف کی زندگی اے مرد
تیرے رخسار پر طمانچہ ہے

مدفنِ آبرپہ

صد احترام سے جھک اس جگہ سرِ مغرور
یہاں ہے دفن مری نیمجاں حیات کا پیار

جو آگ ہے مرے دل میں بجھا کسی صورت
برس گھٹا کی طرح آج دیدۂ خونبار

دلِ حزیں ترے رونے کا وقت آ پہنچا
جو میرے حق میں ہوئی اس دعا کی قبر ہے یہ

یہاں جو آئے زمانہ تو با ادب آئے
مزارِ عشق خلوص و وفا کی قبر ہے یہ

خطوں میں مجھکو بتاتے تھے ہر سفر کا حال
تھا یہ درست یہی جذبۂ محبت ہے

مجھے بتائے بغیر اس بڑے سفر پہ گئے
حضور آپ سے مجھ کو بڑی شکایت ہے

نظر اٹھا کے ذرا دیکھیے تو مولانا
کھڑے ہیں آپ کے قدموں کے پاس سب خدام

میں کچھ نہیں ہوں مگر دو گھڑے تو ہیں موجود
عجیب بات ہے کچھ گفتگو دعا نہ سلام

غزل کا فن ہے اسی خاکِ محترم میں دفن
زبانِ شعر کی ہر دلکشی کا مدفن ہے

ادب کی روح یہاں مرثیہ پڑھے آ کر
یہ قبر ابر نہیں شاعری کا مدفن ہے

جو ناخدا تھا تری ناؤ کا ہوا رخصت
سجانے والے اب اردو ترے کہاں جائیں

وہ ہاتھ جسنے سنوارا تھا انکو خاک میں ہیں
خدا ہی جانے کہ گیسو ترے کہاں جائیں

بس ایک ابر کے جانے سے ہر خوشی بھی گئی
دل و دماغ غم و درد سے دو نیم ہوئے

سہارا ڈھونڈ رہے ہیں کسی کی شفقت کا
ہزاروں ہاتھوں کے زنگیں قلم یتیم ہوئے

وہ کس بلا کا شقی ہوگا جس درندے نے
کیا ہے ابرؔ سے معصوم آدمی کو شہید

بڑا گناہ ہے دنیا میں بے گناہی بھی
یہ ہوش باش کہ زندہ ہے نسلِ شمر و یزید

کوئی کسی کے لئے عمر بھر نہیں روتا
حیات ڈھونڈ ہی لیتی ہے زیست کے پہلو

یہ سچ ہے صبر بھی آجائے گا مجھے لیکن
ابھی تو زخم ہے تازہ ٹپک رہا ہے لہو

جنابِ ابرؔ کی روح لطیف شاد رہے
خدا بہشت کی راحت عطا کرے آمین

یہ قبر جس میں بدن محوِ خواب ہے صابر
خود اپنے نور سے معمور اسے کے بھر آمین

دوالی

میں سمجھتا ہوں کہ نوری نہیں آدم کا وجود
لاکھوں اندھیروں کا بڑے جہل کا زندانی ہے

اسکی تصویر کا اک دوسرا رُخ بھی ہے مگر
جسمِ خاکی میں نہاں فطرتِ نورانی ہے

مجھ کو معلوم ہے کمزور ہے آدم کا وجود
مثلِ نقش آپ ہی کچھ دن میں بگڑ جاتا ہے

نازک ایسا کہ لرزتا ہے ہواؤں تک سے
ہمت ایسی ہے کہ قدرت سے بھی لڑ جاتا ہے

ہر اندھیرے کی حکومت سے گریزاں ہے بشر
سر جھکانے کے عوض جنگ کی تیاری ہے

یہ دوالی کے چراغ اور یہ لوگوں کا خروش
ہے ثبوت اسکا کہ وہ جنگ ابھی جاری ہے

خار و خاشاک سے پُر ہوئے زمیں تھا جسکو
ذہنِ انساں نے سمن زار و گلِ تر بخشے

یہ اماوس کی سیہ رات کا کالا پیکر
فکرِ آدم نے اسے نور کے زیور بخشے

راون و رام کا رن جنگِ حق و باطل ہے
خیر و شر زیست کے میدان میں ٹکراتے ہیں

نور کی فتح اندھیرے پہ ہے کہتہ دستور
ہر برس رام یونہی جیت کے گھر آتے ہیں

میں سمجھتا ہوں کہ نوری نہیں آدم لیکن
یہ بھی کیا کم ہے کہ وہ نور کا دیوانہ ہے

اس دیوالی کو فقط جشنِ چراغاں نہ سمجھ
کوشش و ہمتِ اجداد کا افسانہ ہے

○

تنہائی

شام آئی ہے سسکیاں بھرتی
جیسے بیوہ کوئی بکھیرے بال

تارے مغموم چاند بے رونق
ذرہ ذرہ ہے زندگی کا نڈھال

تو نہ جانے کہاں ہے آج کی رات
کیوں نہ محسوس ہو کمی مجھ کو

پا کے تنہا دبائے دیتا ہے
بارِ احساسِ زندگی مجھ کو

کتنی دھیمی ہے وقت کی رفتار
وجہ کوئی نہیں ہے عجلت کی

آج فرصت مجھے میسر ہے
جب ضرورت نہیں ہے فرصت کی

اہلِ منزل غریب کیا جانیں
پوچھ ہارے تھکوں سے منزل کو

چھوٹ کر تجھ سے ہوتی ہیں معلوم
تیری قربت کی قیمتیں دل کو

دل پریشاں نہیں اداس ہے آج
غم تو ہے کرب و اضطراب نہیں

آج کی رات بھی عجیب سی ہے
بند آنکھیں ہیں اور خواب نہیں

رخصتِ آدم

آدمِ خاکی ہوا لے آج سے انساں تو
کیوں پریشاں ہے مری فرقت سے اے ناداں تو

جا رہا ہے جس جگہ تو خلد کی لذات سے
ذرہ ذرہ اسکا وابستہ ہے میری ذات سے

میں زمینوں میں نہ ہفت افلاک میں محدود ہوں
شرطِ شوقِ دید ہے میں ہر جگہ موجود ہوں

لے دو عالم کی تجھے سب نعمتیں دیتا ہوں میں
خاک کی پستی میں پنہاں عظمتیں دیتا ہوں میں

کر سکے محسوس تو جس سے حظِ چرخ و زمیں
دے رہا ہوں تجھ کو میں اک جسمِ مضبوط و حسیں

آنکھ دیتا ہوں کہ تو دیکھا کرے جلوہ مرا
لے زباں دیتا ہوں جس سے کر سکے چرچا مرا

کان دیتا ہوں سنے جس سے مری حمد و ثنا
جس سے پہچانے مجھے دیتا ہوں وہ عقلِ رسا

لے تجھے اک رہبرِ کامل عطا کرتا ہوں میں
محرمِ اسرار یعنی دل عطا کرتا ہوں میں

تیرے رہنے کو دیا ہے اک جہانِ دل نشیں
پاؤں کے نیچے زمیں اور سر پہ چرخِ چنبریں

جانبِ چرخِ بریں جس دم کرے گا تو نظر
اک بہشتی کیف پائیں گے ترے قلب و جگر

لائیگا تجھ کو تصور اس دیارِ پاک میں
مجھ کو ڈھونڈے گی تری عقلِ رسا افلاک میں

لے ہوا یہ میرے افسانے سنائے گی تجھے
ہر نفس کے ساتھ میری یاد آئے گی تجھے

لے یہ سورج جس سے قائم ہے بہارِ زندگی
ہر کرن میں اس کی رقصاں ہے شرارِ زندگی

نور اور گرمی سے اس کی زندگی کا ہے نظام
اس کے چھپنے سے تری دنیا میں ہو جائے گی شام

شام ہونے پر تجھے سجدہ کرے گی کائنات
چند لمحوں کے لئے رک جائے گی نبضِ حیات

ذرہ ذرہ خلق کا جب سر جھکائے گا مجھے
کیا یہ ممکن ہے کہ تو ہی بھول جائے گا مجھے

پھر سیہ پردے گریں گے منظرِ خاموش پر
آئے گی لہرا کے زلفِ شب ہوا کے دوش پر

لے اندھیرے میں سبھی نظّارے عطا کرتا ہوں میں
رہبری کے واسطے تارے عطا کرتا ہوں میں

لے قمر بھی لے یہ بزمِ نوریاں کا راز ہے
اس پہ نعمت خانۂ خلّاق کو بھی ناز ہے

ماہِ کامل کی ضیا میں ہے مرا حسنِ کمال
دیدِ اس کی تجھ کو بخشے گی مرا ذوقِ جمال

آسماں سے چاند ہوگا یوں زمیں پر نوبہار
جس طرح سیال چاندی کی پڑے ہلکی سی پھوار

جگمگائے گی قمر کی ضو سے جب دنیا تری
ماشاءاللہ کبھی نہ نکلیگا زباں سے کیا تری

لے یہ بادل جن پہ قرباں ظلمتِ گیسوئے حور
دیکھ کر ان کو رگ و پے میں تری ہوگا سرور

پرورش پائے گی ان سے تیرے کھیتوں میں غذا
خاک سے ہوگی نمودِ جلوۂ شانِ عطا

رزق پائے گا مرے دربار سے ہر خاص و عام
دانے دانے پر لکھا ہوگا ترے رازق کا نام

زیورِ تارِ آتشیں روئے زمیں دیتا ہوں میں
لے تجھے اثمار و گل ہائے حسیں دیتا ہوں میں

لے تبسم اور اشک غم عطا کرتا ہوں میں
گل عطا کرتا ہوں میں شبنم عطا کرتا ہوں میں

غنچے غنچے کے تبسم میں مرا پیغام ہے
ہر خوشی کے تکلم میں مرا پیغام ہے

حمد میں میری زباں کھولیں گے سب وحش و طیور
حسن کے جن کے گیت تو بھی گنگنائے گا ضرور

لے یہ رنگیں وادیاں یہ برف پرور کوہسار
شوخ چشمے مست رود دریا سریلے آبشار

بطن بحر بے کراں ہیں ہیں بھرے میں نے گہر
خاک کے پردوں میں پنہاں کر دیے ہیں سیم و زر

آج تجھ پر بخششوں کی انتہا کرتا ہوں میں
لے تجھے سلطانیٔ دنیا عطا کرتا ہوں میں

بعد ان کے اور پیغام کرم دیتا ہوں میں
گو دسپیلا دولت درد و الم دیتا ہوں میں

جب نہ آئے گا کسی شے سے تجھے میرا خیال
کھینچ لائیں گے تجھے میری طرف رنج و ملال

یاد میں آؤں گا جب لائے گا لب پر آہ تو!
ہر تڑپ کیساتھ چیخ اُٹھے گا یا اللہ تو

○

قطعہ

نیا چاند

خلد سے نکلے حضرتِ آدم
دامنِ عرش ہم نے تھام لیا

محترم باپ تیری ذلت کا
تیرے بیٹوں نے انتقام لیا

○

پاکستانی شاعرہ پروین شاکر کے نام

مشترکہ دشمن کی بیٹی[1]

میری بیٹی جیسی پیاری

تو نے بھارت کی دھرتی پر

نظمیں گائیں گیت سنائے

پیار کے گیت،

ان گیتوں نے پھول کھلائے

پیار کے پھول محبت کے گل

جوہی چمپلی نرگس سنبل

ننھیں بچوں کے ہنستے ہونٹوں سے پیارے (ننھے)

ان کی بھینی بھینی خوشبو

چاروں جانب پھیل رہی ہے

لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں

تیرے اس پیارے گلشن کی

پہریداری کون کرے گا۔

[1] پہلا مصرعہ پروین صاحبہ ہی کا ہے جو انہوں نے لتا منگیشکر کے لئے لکھا ہے۔ صابر

آئے گی اک روز سیاست

پھولوں اور کلیوں کی دشمن

پھولوں پہ بارود بچھا کر

انہیں آگ لگا دے گی

سارا باغ جلا دے گی

کتنے بھی خوش رنگ ہوں

کیسی بھی پیاری خوشبو دیتے ہوں

پھول مگر گولی تو نہیں ہیں

ایٹم بم سے کون بچے گا۔

یاد

گلستاں و کوہ و دریا آسمان و مہر و ماہ
خود نمائی کے لئے یہ سب ہیں محتاجِ حیات

فرصتِ نظّارہ دنیا ہو نہ جن کو غم کبھی
ان نگاہوں میں بھلا کیا شے ہے حسنِ کائنات

دیکھتا ہوں میں کبھی ان سب کو مگر بےحس اداس
حسن کی دے داد اس قابل نہیں میری نظر

یاد وابستہ ہے تیری خلق کی ہر چیز سے
دیتی ہے ہر شے شکستِ زندگانی کی خبر

تارے

چلتی ہی رہتی ہے بے احساس فطرت کی مشین
وقت پہ چھپنا دکھانا وقت پر پھر روشنی

تم نے دیکھے ہی نہیں مرگ و حیات و وصل و ہجر
آہ تارو تم کو کیا معلوم دردِ زندگی

شبِ غم

اک بھیانک تیرگی اور ایک سناٹا مہیب
موت کے پنجے میں گویا مضطرب تھی کائنات

ہجر کی شب اس طرح گزری ہے خوف و کرب میں
لاش کے پہلو میں تنہا جس طرح کٹتی ہے رات

اضطراب

حال کے چہرے سے گھبرا کر ہٹاتا ہوں نگاہ
ذہن کو تاریک کر دیتی ہے مستقبل کی چھاؤں

یک بہ یک گھبرا کے پھر جاتا ہوں ماضی کی طرف
ڈوبتا پانی میں جیسے مارتا ہے ہاتھ پاؤں

آدمی

ستاروں کی بلندی چرخ کا نقشہ سمجھتا ہے
سمندر کا عمق اور قعر ہر دریا سمجھتا ہے

سمجھ میں جو نہیں آتا اسے جھوٹا سمجھتا ہے
نہ جانے آدمی اپنے کو یا رب کیا سمجھتا ہے

ایمان

مثلِ طوفاں دل میں اٹھتے ہیں سوالوں پر سوال
کیا ہیں مرگ و زندگی کیوں ہے وجودِ خیر و شر

کیا ہیں تارے اور ان تاروں میں بے نظمی کا نظم
کون ہے وہ ہے اگر فطرت کے پیچھے جلوہ گر

زیست سے پہلے کہاں تھا اب یہاں آیا ہوں کیوں
بعد مرنے کے کہاں اور کس طرح ہوگا گزر

جب نہیں ملتا کہیں انساں کو ان کا جواب
سامنے ایماں کے گھبرا کر جھکا دیتا ہے سر

کفر

قلبِ مضطر میں تڑپ اٹھتی ہے برقِ دردِ غم
دیکھ کر دل کے حسیں ارمان مرتے دم بدم

ٹھوکریں، افلاس، مرگِ دوستاں، توہین، رنج
ٹوٹتا ہے سر پہ جب ہر سمت سے کوہِ الم

دل میں طوفاں کی طرح اٹھتا ہے جوشِ انتقام
آندھیوں میں سسکی ہو جاتی ہے گل شمعِ حرم

تب اندھیری رات میں ڈرتا ہوا مانندِ دزد
کفر رکھتا ہے بشر کے ذہن میں پہلا قدم

جہنم

گنہ یہاں ہو سزا اسکی ہو کسی جا اور
یہ سوچنا بھی ہے توہینِ منصفِ عالم

یہ رازِ تلخ گنہگار ہی کے دل سے پوچھ
کہ ہر گنہ کے سزا ساتھ رہتی ہے ہر دم

خود اس کی سانس اسے برف و آتش و سم ہے
دلِ سیاہ گنہگار کا جہنم ہے!

بہشت

نگاہِ پاک و دلِ روشن و مذاقِ لطیف
جسے ملے اسے فردوس کی نہیں حاجت

سرورِ حسنِ عمل بادۂ طہور اسے
دُرِ اشک ہنسی اس کی گلشنِ جنت

جہاں بھی جاتا ہے فردوس ساتھ ہے اسکے
کہ اسکے دل میں ہے پوشیدہ چشمۂ الفت

رخِ حسیں پہ حسیں روح جگمگاتی ہے
ہر ایک سانس میں بوئے بہشت آتی ہے

تہذیب

آدمی نے جنم دیا تجھ کو
آدمی نے تجھے سنوارا ہے

کر کے انساں نے کوششِ پیہم
پستیوں سے تجھے ابھارا ہے

اور اب تیری آہنی زنجیر
کیسے جکڑے ہوئے ہے عالم کو

آج اُف کس قدر قوی ہے تو
کھائے جاتی ہے نسلِ آدم کو

وہ آنکھیں

وہ آنکھیں جنہیں پہاڑوں کی چوٹیوں کا سکون
سمندروں کی ہے جن میں اتھاہ گہرائی

وہ اک حسین ادا سی حیا غرور کرم
سمجھ میں جن کی حقیقت نہ آج تک آئی

وہ آنکھیں جن میں محبت ہے اور عداوت بھی
کہ جیسے دھوپ کے ہمراہ مینھ بھی برسے

حیا ٹپکتی ہے اس طرح ان انکھڑیوں سے
کہ جیسے اوس کنول کے غنچہ تر سے

قطعات

ہم سے آدابِ بندگی سیکھو
اہلِ دنیا تمھیں خبر کیا ہے

بات کر لی دعا کے وقت ان سے
اس سے بڑھ کر کوئی اثر کیا ہے

رحم دل بنتے ہیں جو وہ اس سے خود آگاہ ہیں
ظلم کرنے میں انھیں اک لطف آتا ہے ضرور

رحم کی امید طاقتور سے کرنا ہے فضول
جس میں طاقت ہے وہ اسکو آزماتا ہے ضرور

لوگ غصہ انھیں پہ ہوتے ہیں
جو خموشی سے کام لیتے ہیں

جب سوا سیر کوئی ملتا ہے
ہاتھ اپنا کا تھام لیتے ہیں

ظلِ اللہ

حکومت جس کو کہتے ہیں وہ ہے کردار کا جوہر
سلیقہ اسکا ظلم و جور و مکر و فن کو کب آیا

خدا کے عدل کی سختی پدر کے عشق کی گرمی
میسر آگئی جسکو وہی اللہ کا سایا

اب مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا!
نبضِ امیدِ دل کی چھوٹ گئی

میں وہ ہارا ہوا سپاہی ہوں
جس کی تلوار رن میں ٹوٹ گئی

خدا کا شکر بظاہر میں پارسا ہی نہیں
مرے مزاج میں گنجائشِ ریا ہی نہیں

ہر ایک بات کا میری یقین کر زاہد
شراب پی کے کوئی جھوٹ بولتا ہی نہیں

ملاوٹ

ہر ایک شے میں ملاوٹ ہر ایک شے ناصاف
غذا کے نام سے کیا کیا کھلایا جاتا ہے

بچے نہ ملک کے شاعر سبھی اس مصیبت سے
کہ شاعری میں ترنم ملایا جاتا ہے

رباعی

وہ دن وہ حسیں رات کہاں سے لاؤں
اب ان کی عنایات کہاں سے لاؤں

کچھ زور نہیں وقت پہ میرا اے دل
گزرے ہوئے لمحات کہاں سے لاؤں

قطعہ

مجھ کو اے دوست ترے امن پہ رشک آتا ہے
تیری دنیا ہے فقط جنس و مکاں نان و لباس

تجھ پہ اللہ کی رحمت ہو کہ اس نے تجھ کو
دل ہی بخشا ہے نہ بخشا ہے وبالِ احساس

قطعہ

گنگا جمنا رہے شباب ان کا
شادماں بھی رہیں حسیں بھی رہیں

پاس میرے اگر نہیں نہ سہی
خوش رہیں وہ جہاں کہیں بھی رہیں

جس میں ہوتی ہو اپنی سبھی تو ھبن
خود ہی اسکو برا نہیں کہتے

عاشقی کا شعور ہے جن کو
حسن کو بے وفا نہیں کہتے

قدم قدم پہ ہے شیریں تو آج سبھی لیکن
جہاں میں کوہ کنی کوئی اب نہیں کرتا

خدا کی یاد بتوں کا جمال عشق کا درد
غم حیات کسی کا ادب نہیں کرتا

مرا قصور ہے اسمیں نہ کچھ خطا انکی
مزاجِ عشق تو خود ہی خوشی کا دشمن ہے

ستم ظریفی فطرت کو کیا کہوں صابر
وہ دل دیا جو مری زندگی کا دشمن ہے

حسن و تہذیب کے محافظ ہیں
قوت و شوکت و جلال و وقار

امن کا خواب دیکھنے والو!
جنگ کے واسطے رہو تیار

ایک گوشے میں رہ کے کٹ جائے
اتنی آسان یہ حیات نہیں

ہے بہادر کا کام اہنسا بھی
رحم بزدل کے بس کی بات نہیں

سایۂ ظلم میں بھی زیست سے چمٹے رہنا
روح کو مردہ و بیکار بنا دیتا ہے

ظلم کرنے ہی کو کہتے ہیں گنہ لوگ مگر
ظلم سہنا بھی گنہگار بنا دیتا ہے

ظلم آسان نہیں ہے اے ظالم
خاک بھی اڑ کے سر پہ چڑھتی ہے

بات مظلوم کی نہ سننے سے
بات گھٹتی نہیں ہے بڑھتی ہے

غم کی صورت بدل ہی جاتی ہے
وقت کی چال چل ہی جاتی ہے

سخت سے سخت چوٹ کھا کر بھی
زندگانی سنبھل ہی جاتی ہے

رباعی

طوفانِ حوادث میں اڑی ہے کوشش
خود موت کی قوت سے لڑی ہے کوشش

ناکام سہی پھر بھی تو ڈرنے والو!
ڈرنے سے بہر حال بڑی ہے کوشش

نہ شانِ ماضیٔ مرحوم ہے نہ مستقبل
نہ بیقرار تخیّل میں کوئی حال ہے آج

ہر ایک چہرہ تجسس ہر اک نگاہ تلاش
تمام ہند اک الجھا ہوا سوال ہے آج

نورِ امید کے سوا صابر
ہر طرف ظلم کا اندھیرا ہے

کس کے دربار میں کریں فریاد
وہی منصف ہے جو لٹیرا ہے

شب کی تاریکیاں ہیں دل میں نہاں
رخ پہ انوارِ صبح پڑتے ہیں

دیکھئے کام اگر تو مکر و فریب
سنئے باتیں تو پھول جھڑتے ہیں

حسنِ عالم بڑھایا ہے لیکن
ظلم سبھی شاعروں نے ڈھائے ہیں

بیوگی کی سبھی کی ہیں تعریفیں
جنگ سی شے کے گیت گائے ہیں

آدم

خلد میں تھا میں صورتِ مہماں
اب نکل کر گھر اپنے آیا ہوں

آسماں کو بھی جانتا ہوں مگر
اصل میں میں زمیں کا جایا ہوں

دن تو گزرا ہزار غم سہتے
کب تک اس آگ میں جلیں صابرؔ

ہوگئی شام کر کے شکرِ خدا
آؤ اب میکدے چلیں صابرؔ

○

پھول کے نیچے سانپ کی تشبیہ
دوستوں ہی کو زیب دیتی ہے

کانپ جاتی ہے دشمنی صابرؔ
جب محبت فریب دیتی ہے

خوش نصیبوں کے سنیئے افسانے
بدنصیبوں کی بد نصیبی سے

کچھ نہ کچھ تو ضرور نسبت ہے
اُس امیری کو اس غریبی سے

فخرِ دریا دلی پہ برق گری
کسی مے کش نے جب جام لیا

تشنہ کاموں کی بے کسی نے بھی
بے نیازی کا انتقام لیا

○

مجھ سے مل کر گئے ہیں آج ہی وہ
روح لیکن ہنوز پیاسی ہے

مجھ کو خوش ہونا چاہیے تھا مگر
روز سے بڑھ کے آج اداسی ہے